تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
اور
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولانا محمد منشا تابش قصوری
ناظم شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ
اور
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولانا محمد منشا تابش قصوری

ناظم شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رضا اکیڈمی لاہور

سلسلہ اشاعت نمبر 171

نام کتاب .... تحریک نظام مصطفیٰ اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تحریر .... مولانا محمد منشا تابش قصوری

صفحات 64

تعداد .... دو ہزار

ناشر .... رضا اکیڈمی، لاہور۔

کتابت .... شاہ محمد چشتی

مطبع .... احمد سجاد آرٹ پریس، لاہور۔

قیمت .... دعائے خیر حق معاونین رضا اکیڈمی رجسٹرڈ، لاہور۔

عطیات بھیجنے کے لیے

رضا اکیڈمی اکاؤنٹ نمبر ۳۸ / ۹۳۸، حبیب بنک وسن پورہ برانچ، لاہور۔

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات 5 روپے کے ٹکٹ ارسال کریں۔

ملنے کا پتہ:

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)

[illegible] رضا محبوب روڈ، چاہ میراں، لاہور، پاکستان کوڈ نمبر ۵۴۹۰۰

فون نمبر 7650440

انتساب

• شمع رسالت کے ان پروانوں کے نام جنہوں نے نظام مصطفیٰ کے نام پر اپنی جانیں قربان کیں یا انہوں نے "بسوزد پرم" کا مظاہرہ کیا۔

• ان مقدس ہستیوں کے نام جنہوں نے نظام مصطفیٰ پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں عشق مصطفیٰ کی شمع جلائی اور ان کو قربانی کا جذبہ دیا۔

• ان مخلص اصحاب خیر کے نام جنہوں نے خون پسینہ کی حلال اور پاکیزہ دولت کو جامعہ نظامیہ رضویہ میں صرف کر کے دینی جہاد کے لیے علماء تیار کیے۔

تابش قصوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ نظامیہ رضویہ اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ پس منظر

جب ہم اس نکتۂ نظر سے تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ کئی ادوار پر پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس تحریک کے مختلف زاویے اور متعدد گوشے نظر آتے ہیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا تحریک خلافت، ترک موالات کا شوشہ ہو یا تحریک ہجرت، قیام پاکستان کے لیے جدوجہد ہو یا تحریکِ ختم نبوت ان تمام تحریکوں کا ماحصل مقام مصطفےٰ کا تحفظ اور نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کا تو قیام ہی اسی نظام کے نعرہ کا مرہون منت ہے مگر پاکستان کے قائم ہونے کے بعد حکومت کی باگ ڈور ایسے خود غرض سیاست دانوں کے ہاتھ میں آتی رہی جنہوں نے اس مقدس نظام کے عملی نفاذ سے نہ صرف عمداً اغماض اختیار کیا بلکہ پوری منافقت سے سدِ راہ بنے رہے۔ مذکورہ بالا تحریکیں بھی حقیقتاً نظام مصطفےٰ کو بروئے کار لانے کے مقدس مشن کے پیشِ نظر ہی اٹھتی رہیں۔ گو اس دور سے پہلے اس اصطلاح کو قبولیت کا اتنا شرف نہیں حاصل ہو ا تھا جتنا ، مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں عظیم ترین دھاندلیوں کے رونما ہونے کے باعث ہوا۔

برصغیر پر مسلمانوں کی تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت رہی مگر کسی بھی دینی و سیاسی شخصیت کے حاشیہ خیال میں ہندوستان کو پاکستان سے موسوم کرنے کی خواہش تک پیدا نہ ہو سکی۔ حالانکہ محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ یہ سرزمین اس دن سے ہی پاکستان بن گئی تھی جب یہاں پہلے مسلمان نے قدم رکھا بدوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ تحریک نظام مصطفےٰ کا برصغیر میں اسی دن سے اجراء عمل میں آگیا تھا جب یہاں پہلے مسلمان مبلغ نے قدم رکھا۔ مگر اس نام یا مقدس اصطلاح

(نظام مصطفےٰ) کے اجراء کا شرف سوادِ اعظم کی مشہور اور مقبول سیاسی جماعت جمعیۃ العلماء پاکستان کو حاصل ہوا جس کے عظیم قائدین نے اپنے کردار و عمل سے عشقِ مصطفےٰ کا سبق دیا، مقام مصطفےٰ کے تحفظ کی قسم کھائی اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے اپنی زندگی وقف کیے سربکف میدانِ جہاد میں پیہم مصروف ہیں۔

تحریک کے پس منظر میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب انگریز نے برصغیر پر اپنی عیاریوں سے پورے طور پر قدم جما لیے تو اسے محسوس ہوا کہ مشرقی قومیں خصوصاً مسلمان سخت قسم کے مذہبی جذبات سے سرشار ہیں اور اپنی قومی روایات اور اسلاف کی عزت و ناموس کی بقا کے لیے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی انہی جذبات کی آئینہ دار تھی جس میں اکابر اہل سنت و جماعت پیش پیش تھے، جن میں قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا فیض احمد بدایونی تلمیذ و داماد علامہ شاہ فضل رسول بدایونی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، ڈاکٹر وزیر اکبر فیروز آبادی، بخت خان روہیلہ، علامہ امام بخش صہبائی، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا رضا علی خان بریلوی جدامجد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا مجد الدین فیروز آبادی، مولانا مفتی سید کفایت علی کافی مراد آبادی وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں مسلمانوں کی آزادی کے لیے وقف کر رکھی تھیں انگریز ان سے خائف تھا جاسوسوں کے ٹولے پیچھے لگا رکھے تھے مگر انگریز کی تمام تر چالوں کو ان رہنماؤں نے ناکام بنانے میں مثالی کردار ادا کیا۔

آخر کار جنگ پر قابو پا لینے کے بعد برٹش گورنمنٹ کا وہ احساس اور زیادہ قوی ہو گیا اور انہیں فکر ہوئی کہ مسلمانوں کو اسلاف کے نقشِ قدم سے ہٹا کر ایک نئی راہ پر لگا دینا چاہیئے تاکہ ان کی مذہبی روح مردہ ہو جائے کیوں کہ جب تک یہ اسلاف سے وابستہ رہیں گے نظام مصطفےٰ کی خالص روح ان کے دل و دماغ میں رچی بسی رہے گی اور ان کا ملی شعور ہمیشہ بیدار رہے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ جب بھی ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت ہو گی سر پر کفن باندھے میدان عمل میں نکل کھڑے ہوں گے (چنانچہ

حالیہ تحریک نے اس خیال کی عملاً تصدیق کردی) ان کے ایمانیات و روحانیات کا حقیقی
سرچشمہ کتاب و سنّت ہے جس سے براہِ راست کسی طرح نہیں کٹ سکتے ان کا
مذہبی جوش ختم کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اسلاف سے ان کا رشتہ کاٹ لیا
جائے اس رشتہ کو کاٹنے کے لیے مکر و فریب، دجل و مکاری اور دھوکہ بازی
کی قوت سے کام لیا جائے اور مسلمانوں ہی کے ایسے لیڈر اور نام نہاد مذہبی رہنماؤں کی خدمات
حاصل کی جائیں جن کا اسلام سے بس نام ہی کا تعلق ہو عشقِ مصطفےٰ کی پرچھائیں تک
ان پر نہ پڑی ہوں چنانچہ انگریز کی خواہشات کی تکمیل کے لیے ایسے لیڈر ہاتھ لگے جو
انکی توقعات سے بھی بڑھ کر سود مند ثابت ہوئے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہد
علماء و مشائخ کے واقعات کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک سے ایک بڑھ
کر شمعِ آزادی پر پروانہ وار نثار ہوتے دکھائی دیتا ہے، علامہ فضل حق خیر آبادی اگر
جزیرہ انڈیمان (کالا پانی) میں قیدِ تنہائی میں پڑے اپنی جان جانِ آفرین کے حضور
پیش کرتے نظر آتے ہیں تو مراد آباد کے چوک میں تختۂ دار پر کھڑے مولانا سید کفایت علی
کافی مراد آبادی یوں رجز خوان پائے جاتے ہیں۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا — پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہمسفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا — بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو — اس تنِ بے جان پہ خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک — نعتِ حضرت کا زبانوں پر اثر رہ جائے گا

سوادِ اعظم کے اس عظیم رہنما، خاندانِ سادات کی جلیل القدر شخصیت، شہیدِ جنگ
آزادی تو رجز پڑھتے تختۂ دار کی طرف بڑھتے ہوئے تمغۂ شہادت حاصل کرتے ہیں
اور ادھر شاتمانِ رسول اور ننگِ اسلام انگریز کی از خود حفاظت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور
جنگ فرو ہو جانے پر نہ صرف شمس العلماء کے خطابات سے نوازے جاتے ہیں بلکہ انعام
میں جاگیر بھی ہاتھ آتی ہے۔
وقت گزرتا گیا عشقِ مصطفےٰ کے چراغ کی لو کو مدھم کرنے کے لیے انگریز اپنی

مکاریوں کی پوری طاقت بروئے کار لاتا رہا مگر عاشقانِ مصطفےٰ کا قافلہ پروانہ وار باطل کے
سامنے سینہ سپر مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے کوشاں
رہا جب تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، شدھی کی تحریک کے نعرے بلند ہونے
لگے تو اس وقت سوادِ اعظم کے عظیم روحانی رہنما مجددِ برحق اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ
نے عشقِ مصطفےٰ کا ایسا درس دیا جس کے نتیجہ میں نہ صرف تحریکِ پاکستان کو کامیابی
نصیب ہوئی بلکہ تحریکِ ختمِ نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ بھی قبولیت کے ایسے شرف
سے ممتاز ہوئی جس کی مثال ڈھونڈے سے نہ ملے گی۔
مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے ہر محاذ پر قلمی جہاد فرماتے ہوئے روحانی
مذہبی اور سیاسی سطح پر ایسی شخصیتیں تیار کیں جن میں سے ہر ایک شخصیت دیگر جماعتوں پر
بھاری ہے حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حضرت مولانا سید
ابوالمحامد سید محمد احمد کچھوچھوی محدثِ اعظم ہند، مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری
علامہ شاہ عبد العلیم صاحب صدیقی (والد ماجد مولانا شاہ احمد نورانی) غازی کشمیر مولانا سید
ابوالحسنات قادری، مولانا عبد الحامد بدایونی، حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی
تاج العلماء مولانا محمد عمر صاحب نعیمی، مولانا الحاج ابو الفضل محمد سردار احمد صاحب
محدثِ اعظم پاکستان، مولانا غلام معین الدین صاحب نعیمی شیخ القرآن، مولانا عبد الغفور صاحب
ہزاروی، حضرت مولانا غلام محمد صاحب ترنم امرتسری علیہم الرحمۃ ان عالی قدر منتسبوں کے
علاوہ سوادِ اعظم کے مشائخ عظام نے جس جذبہ و ایثار سے مسلمان نسل کو سبق دیا ان میں
سے حضرت امیر ملت پیر جماعت شاہ محدث علی پوری، حضرت پیر مہر علی صاحب گولڑوی
حضرت امین الحسنات پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب بھرچونڈی شریف، حضرت پیر
ہاشم جان مجددی، حضرت پیر علی محمد صاحب بسی شریف کے علاوہ بے شمار پیرانِ عظام
کے نام آتے ہیں جنہوں نے ہر مقام پر عشقِ مصطفےٰ کی شمع روشن رکھی۔ اور خود تجربات
سے عمل کی تحریک چلائی چنانچہ قیامِ پاکستان کے لیے جب تحریک چل رہی تھی تو ۱۹۴۶ء
میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کے نام سے بنارس میں پانچ لاکھ عاشقانِ مصطفےٰ کا عدیم المثال

اجتماع ہوا جس میں سوادِ اعظم کے پانچ ہزار اکابر علماء کرام و مشائخ عظام نے شمولیت فرمائی اور پاکستان کے قیام کے لیے اپنے عزمِ بالجزم کا اس طرح برملا اعلان فرمایا کہ اگر کسی موقع پر جناب محمد علی جناح پاکستان کے قیام سے اعراض بھی کر جائیں ہم پاکستان بنا کر دم لیں گے۔

اس تاریخی اجتماع کی برکات کا ظہور اس تیزی سے شروع ہوا کہ ایک ہی سال کی مختصر مدت بعد دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے نظر آنے لگی۔ حضرت شیخ الاسلام سیدی الحاج الحافظ خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی، امام اہلِ سنت مولانا سید ابو البرکات اشرفی، مولانا غلام قادر اشرفی، فقیہ اعظم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی اشرفی، مولانا الحاج الشاہ محمد عارف اللہ صاحب قادری ایسی ہستیاں ہمارے اندر موجود ہیں جن کی زیارت کی جا سکتی ہے اللہ تعالےٰ ان کا سایہ سوادِ اعظم پر تادیر سلامت رکھے جو اسلاف کی یادگار ہیں جنہوں نے سنی کانفرنس بنارس میں نمایاں کردار انجام دیا۔

ان اکابر علماء و مشائخ کی مسلسل محنت، دل سوزی اور قیادت کا ہی یہ ثمرہ ہے کہ آج بھی عشقِ مصطفےٰ کی تابانی سوادِ اعظم کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے اور اس دور میں سوادِ اعظم کے قائدین ہو بہو اسلاف کی مثیل اور صوری و معنوی ہر دو لحاظ سے ان کا عکس جمیل ہیں۔ اور ہمارے یہ رہنما بحمدہ تعالےٰ سیرت و کردار میں مثالی ہیں یہی وجہ ہے کہ تحریکِ نظام مصطفےٰ نے ہمہ گیر قبولیت حاصل کی، افراد کی کثرت ہی بڑی جماعت پیدا نہیں کرتی ہے اس لحاظ سے پاکستان کی تمام چھوٹی بڑی مذہبی جماعتوں کو سوادِ اعظم کے مقابلہ میں ایک فرد ہی کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ان قائدین کے اسماء گرامی سے اپنے قلب و روح کو منور کرتے چلئے جنہوں نے تحریکِ نظام مصطفےٰ میں ناقابلِ فراموش کردار انجام دے کر عوام و خواص کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور اب ان کے اشارۂ ابرو پر سوادِ اعظم کا بچہ بچہ نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے سرشار نظر آتا ہے۔

قائدِ اہلِ سنت حضرت مولانا الشاہ احمد نورانی، مجاہدِ ملت مولانا علامہ عبد الستار

خان نیازی، ملتان کے بے تاج بادشاہ مولانا حامد علیخان، بدرِ طریقت صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری، فقیہ العصر مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب بصیر پوری، قائدِ حریت مولانا محمد اکبر ساقی، شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی، شیخ الحدیث مولانا محمد شریف ملتان، مولانا مفتی مختار احمد صاحب گجراتی، مولانا احمد علی صاحب قصوری، حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی فضل رسول صاحب، مولانا صاحبزادہ محمد فضل کریم صاحب شہزادگانِ حضرت محدثِ اعظم پاکستان، جناب ظہور الحسن صاحب بھوپالی، علامہ محمد حسین حقانی صاحب شیخ التفسیر پیر محمد کرم شاہ صاحب۔ ایم اے الازہری، علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، حافظ محمد عالم سیالکوٹی، پروفیسر شاہ فرید الحق، مولانا صاحبزادہ عبد القادر ایم۔ اے۔ مولانا سید حسین الدین صاحب، حاجی محمد حنیف طیب دامت برکاتہم العالیہ۔ ایسے جلیل القدر رہنماؤں نے اپنے عملی کردار سے پاکستان کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے اندر ایسی روح پھونکی کہ کراچی سے خیبر تک پاکستان کا چپہ چپہ نظام مصطفےٰ کے مقدس نعروں سے گونج اٹھا۔ مشائخ عظام، علماء کرام کے علاوہ، وکلاء، صحافی، مزدور، مزارع، غریب، محنت کش الغرض ہر طبقہ نے باطل سے ٹکر لی اور مالی و جانی قربانیوں کے نذرانے پیش کرنے لگے۔ اور حقیقت عیاں ہو گئی تحریکِ نظام مصطفےٰ کا پہلا مرحلہ اس شان سے کامیابی تک پہنچا جس کی مثال ماضی میں تلاش نہیں کی جا سکتی۔

جب تحریک میں جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ عربیہ کے علماء، طلباء اس سلسلہ میں نقطۂ عروج پر نظر آتے ہیں۔ دیگر مسالک کے مذہبی اداروں اور سوادِ اعظم کے مدارس میں بنیادی فرق ہی یہی ہے کہ مقامِ مصطفےٰ کا تحفظ اور نظام مصطفےٰ کا نفاذ ایسے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل سنی مدارس میں ہوتی چلی آئی ہے اور انشاء اللہ العزیز اسی ارفع مشن کی تکمیل و ترقی کے لئے ہمیشہ کاربند رہیں گے۔

سنی مدارس کے طلبا جب اپنے قائدین کو عشقِ مصطفےٰ سے سرشار دیکھتے ہیں تو اپنے اندر اسی قسم کی سیرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تدریس، تحریر اور تقریر

میں عشقِ مصطفےٰ کا اظہار ان کا طرۂ امتیاز ہے، بعض ناعاقبت اندیش جن کے دل عشقِ مصطفےٰ سے خالی ہیں اسی لیے اکثر علماء، خطباء، طلباء اور آئمہ کرام پر اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ انہیں تو . . . فاتبعونی یحببکم اللہ کے موضوع کے سوا کوئی عنوان ہی نہیں ملتا۔ اصلاحِ معاشرہ پر تو تقاریر کرنا جانتے ہی نہیں۔ اذان ہو نماز، خطبہ جمعہ ہو یا کوئی اجلاس ان کی ابتداء و انتہا درود و سلام کے بغیر ہوتی ہی نہیں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا ان کا معمول ہے، حالانکہ یہ تمام امور مستحبہ عشقِ مصطفےٰ کے داعی ہیں۔ مگر جنہیں نبی کریم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے پر ہی اعتراض ہو، جو مقامِ مصطفےٰ پر تقاریر سنتے ہی آگ بگولہ ہو جاتے ہوں، انہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تعلق وہ عشقِ مصطفےٰ کو کیا سمجھیں اور مقامِ مصطفےٰ کو کیا جانیں پھر نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے کیوں کوشاں ہوں؟ اگر کبھی سوادِ اعظم کے ساتھ مل کر انہیں کام کرنے کا موقع نصیب ہو بھی جاتا ہے تو اس مقدس مشن سے زیادہ ان کا مطمعِ نظر خواہشات کی تکمیل ہوا کرتی ہے شواہد کے لیے مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر اس مختصر میں گنجائش کہاں۔

سُنّی مدارس جن کا مقصدِ وحید ابتدا سے مقامِ مصطفےٰ کا تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کا نفاذ رہا ہے ان کی تمام تر کوششیں صرف اسی نقطہ پر مرکوز رہی ہیں۔ اسلاف نے اسی مشن کو ہمیشہ حرزِ جان بنائے رکھا، اخلاف انہیں کے نقشِ قدم پر عمل پیرا ہیں۔ پاکستان میں سُنّی مدارس کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ ہر شہر اور ہر قصبہ میں سُنّی ادارے قائم ہیں بڑے شہروں میں تو کئی کئی مدرسے چل رہے ہیں۔ جہاں درس و تدریس کا مرکزی پہلو عشقِ مصطفےٰ ہی ہے اسی لیے جب تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کی لہر اٹھی تو یہ ادارے مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے آگے آگے تھے مدرسین و طلباء کرام نے اس تحریک کو نہ صرف اپنے عمل سے پروان چڑھایا بلکہ اپنے خون کا نذرانہ دینے سے بھی کسی طرح گریز نہ کیا۔ قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے رہے، غنڈوں کی گولیوں کا استقبال کیا۔ اور کئی طلباء اس دوران میں شہادت سے سرفراز بھی ہوئے۔

ہر سُنّی ادارہ نے اپنی اپنی بساط سے بڑھ کر تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی تفصیل کے لیے ہر ادارہ کو اپنی روئداد پر تاریخ لکھنی چاہیئے۔ دارالعلوم امجدیہ کراچی، دارالعلوم جامعہ رضویہ فیصل آباد (لائل پور)، مدرسہ انوار العلوم ملتان، دارالعلوم جامعہ رضویہ راولپنڈی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ساہیوال)، جامعہ نعیمیہ لاہور، حزب الاحناف لاہور، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور جیسے مرکزی اداروں نے اس تحریک میں اس شان سے کام کیا ہے جس پر ہر ایک سُنّی فخر کر سکتا ہے اس لیے ان مدارس کے ارباب حل و عقد کو اپنی تحریکی خدمات کو قلم بند کر کے شائع کر دینا چاہیئے تاکہ مستقبل میں آپ کے جذبات ہمہ تن کا کام دے سکیں۔ آپ کی یہ کارروائی اہلِ سُنّت و جماعت کی تاریخ میں سنہری باب کی حیثیت رکھتی ہے اسے کسی طرح بھی نسیاً منسیاً نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم۔ اے الازہری مدظلہ (بھیرہ) نے ماہنامہ ضیائے حرم کے ذریعہ کافی مواد جمع کر دیا ہے اسی طرح ماہنامہ رضائے مصطفےٰ، ماہنامہ ترجمان اہلِ سنت کراچی نے بھی قابلِ قدر ریکارڈ بنایا ہے مگر تاحال سُنّی اداروں کی طرف سے کوئی تصنیف سامنے نہیں آئی البتہ ظہور الحسن بھوپالی کی انتظار سحر اس سلسلہ کی ایک کڑی قرار دی جا سکتی ہے۔

بس اسی نظریہ کے تحت تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کا کردار پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ممکن ہے سُنّی مدارس کے لیے یہی کتابچہ محرک بن جائے۔

اس پس منظر کے بعد اب جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کو ایک نظر ملاحظہ فرمائیے جس کا ماضی ابتلاء و آزمائش کا مجسمہ، جس کا حال قابلِ تقلید اور جس کا مستقبل سُنّی مسلمانوں کے حسین خوابوں کی مقدس تعبیر ہے۔ مئی ۱۹۵۶ء میں جامعہ کا قیام عمل میں آیا حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا الحاج ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قادری چشتی علیہ الرحمۃ نے افتتاح فرمایا، اور جامعہ تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ جامعہ کے مدرسین و طلبہ اور عملہ کی تمام تر کاوشیں اسی کے لیے وقف رہیں، جب کبھی پاکستان میں اسلامی و ملکی سرحدوں

پر مخالفین حملہ آور ہوتے تو جامعہ کے اساتذہ و طلباء نے بڑی مستعدی سے اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۶۲ء میں فتنہ شورش کا استیصال کیا، ۱۹۶۶ء میں جمعیت العلماء پاکستان کی تنظیم نو میں مرکزی کردار ادا کیا اور ایوب خان سابق صدر کے نافذ کردہ عائلی قوانین کے خلاف تحریک کی قیادت کی چنانچہ علماء کے تاریخی جلوس کی قیادت بھی اسی جامعہ کے ناظم اعلیٰ نے فرمائی ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور مارچ ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفےٰ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی اس تحریک میں جامعہ نے جو تاریخی کردار انجام دیا اس کی مختصر سی روداد آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

جامعہ نظامیہ رضویہ

مدینۃ العلوم لاہور میں مرکزی دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ کی بنیاد شوال المکرم ۱۳۷۶ھ مئی ۱۹۵۶ء کو تاریخی مسجد خراسیاں میں بے سروسامانی کے عالم میں رکھی گئی حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد چشتی قادری علیہ الرحمۃ نے ہدایہ شریف کے سبق سے افتتاح فرمایا حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب مہتمم و صدر مدرس اور مولانا مفتی ابو سعید محمد عبد القیوم ہزاروی مدرس و ناظم مقرر ہوئے تعمیر و تدریس کے ساتھ ساتھ ابتلاء و آزمائش کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء یکم شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ کو حضرت محدث اعظم نے وصال فرمایا تو جامعہ اس المناک واقعہ کے ساتھ ہی ایک نئے بحران سے دوچار ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب مہتمم جامعہ کو جنہیں حضرت محدث اعظم سے دامادی کا شرف بھی حاصل تھا جامعہ رضویہ لائل پور کے لیے شیخ الحدیث کے منصب کی تمام تر ذمہ داری آ پڑی جس کے باعث موصوف جامعہ رضویہ لائل پور کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اور جامعہ نظامیہ کے انتظام و انصرام کا تمام بوجھ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کے ناتواں کندھوں پر آ پڑا چنانچہ ناظم اعلیٰ نے اپنی مساعی جمیلہ کو جامعہ کے لیے وقف کر دیا۔ اہل محلہ کی یورش، مقدمات کی بھرمار

مدرسین و طلباء کی ضروریات کا حصول اور جامعہ کے داخلی و خارجی معاملات سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا وغیرہ ایسے امور نے ناظم اعلیٰ کو مضمحل کر کے رکھ دیا۔ مگر اس مرد حق آگاہ نے جن کا خمیر ہی ایثار و قربانی کے جذبات سے اٹھا تھا۔ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے جامعہ کے ہر شعبہ کی ترقی کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

آپ نہ صرف جامعہ ہی کی تعمیر و ترقی سے دلچسپی لیتے تھے بلکہ ملک میں سیاسی و مذہبی حالات پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے۔ اگر کسی بھی طرف سے مذہبی و سیاسی سرحدوں پر دشمنانِ پاکستان نے حملہ کے لیے سر اٹھایا تو آپ تڑپ اٹھے جب کبھی علماء اہل سنت کو مخالفین سب و شتم کا نشانہ بناتے تو ان کا منہ توڑ جواب دیتے۔ چنانچہ فتنہ شورش کا مقابلہ کرنے کے لیے پاکستان بھر میں جامعہ نظامیہ واحد ادارہ ہے جس نے بڑی پامردی اور چابکدستی سے اس فتنہ کا سر قلم کیا۔ ۱۹۶۲ء کی بات ہے شورش کاشمیری کے پردہ میں شاتمانِ رسول انام کا گروہ حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کی ذات ستودہ صفات کے تبلیغی اثرات سے گھبرا کر ان پر پل پڑا ۔ مولانا عارف اللہ شاہ قادری اور خطیب پاکستان مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی پر رکیکانہ حملے کیے۔ اکابر اہل سنت پر انگریز ایجنٹی کے الزام تراشے گئے تو اس کے استیصال کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ کے مدرسین و طلباء کرام نے ہر سطح پر انقلابی کردار انجام دیا۔ ایک طرف اشتہار پمفلٹ، کتابچے، رسائل اور اخبارات کے ذریعہ تحریری محاذ سنبھالے رکھا تو دوسری طرف ہر مقام پر اجلاس منعقد کر کے اس فتنہ کا موثر سدباب کیا۔

موچی گیٹ لاہور کے تاریخی اجلاس کا انعقاد جامعہ نظامیہ کا ایسا سنہری کارنامہ ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ مخالفین نے اس اجلاس کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ باغ میں پانی چھوڑ دیا گیا۔ لائٹ اور لاؤڈ سپیکر کے نظام کو درہم برہم کر دیا گیا۔ ملک بھر سے اکابر علماء و مشائخ کرام کی بڑی تعداد نے شمولیت سے تاریخ ساز کردار ادا کیا دشمن کے منصوبے ناکام بنا دیے گئے اور یہ اجلاس

لاہور کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ اس کے انعقاد سے شاتمان رسول انام کے گروہ کو پھر سر
اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اہل سنت وجماعت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ جامعہ
نظامیہ کے طلباء کے ایثار وقربانی کو اکابرین نے بے حد سراہا۔ سلطان المناظرین مولانا محمد عمر صاحب
اچھروی علیہ الرحمۃ اور دیگر ممتاز علماء کرام نے ان کی حوصلہ افزائی کے طور پر خصوصی انعام دیئے

جمعیۃ العلماء پاکستان کی تنظیم نو کا کارنامہ بھی جامعہ نظامیہ رضویہ کی متحرک وفعال انتظامیہ
کا مرہون منت ہے اگر ۱۹۶۸ء میں جب کہ جمعیت کے مرکزی رہنما شدید اختلاف میں مبتلا
تھے حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی صاحبزادہ
قاضی فضل رسول صاحب، مولانا قاضی عبد النبی صاحب کوکب اور مولانا احمد علی قصوری تنظیم نو
کے لیے جدوجہد کرتے تو شاید آج جمعیت کو یہ مقام حاصل نہ ہوتا۔ ان گرامی قدر حضرات کی
مساعی جمیلہ رنگ لائیں اور علامہ عبد الغفور صاحب ہزاروی علیہ الرحمۃ نے صدارت قبول فرماتے
ہوئے جمعیت کو ترقی کی راہ پر گامزن فرما دیا۔

نیز مسٹر ایم مسعود سابق ناظم اعلیٰ محکمہ اوقاف نے نشہ اقتدار سے مخمور ہو کر اسلام و
سنت پر سوقیانہ حملے شروع کیے اور اردو نماز کا فتنہ کھڑا کیا تو اس وقت بھی پاکستان بھر میں
پہلی احتجاجی آواز جامعہ نظامیہ سے بلند ہوئی اور ایسی کامیاب مہم چلائی کہ الحاد ودہریت
کے اس پلندہ کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ مسعود بھگوان نے علماء حق کی تنقیص وتوہین کے لیے
اپنے گماشتے بھی چھوڑ رکھے تھے جو آئے دن علماء کرام کو طرح طرح کی اذیت سے دوچار
کرتے رہتے اسی سلسلہ میں ڈاکٹر امیر علی صاحب جو مسعود بھگوان کا قریبی رشتہ دار تھا
اس کو محکمہ اوقاف میں علماء کرام کی نگرانی پر متعین کر دیا گیا اس چرب زبان نے علماء کرام کو تنگ کرنا
شروع کر دیا۔ بعض اوقافی مولوی اس کے جھانسے میں آگئے اور وہ اسی پر دلیر ہو گیا۔ چنانچہ
ایک روز جامع مسجد خراسیاں متصل جامعہ نظامیہ میں بھی آ نکلا۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم
ہزاروی قرآن کریم کا درس فرما کر فارغ ہوتے تھے کہ اس نے بڑے گستاخانہ لہجہ میں کچھ کہہ دیا
آپ نے اس کمینہ فطرت سے نرمی میں بات کرنی چاہی تو وہ بدزبانی پر اتر آیا۔ سامعین کرام
سے رہا نہ گیا اور اسے مسجد سے بھگا دیا۔ دوسرے تیسرے روز مکمل تیاری کے ساتھ

عشاء کی نماز میں بھی آ دھمکا۔ اور پہلے سے زیادہ درشت رویہ اختیار کرنے لگا اس پر مقتدی
حضرات نے اس کی خوب پٹائی کی اب اس کے ہوش ٹھکانے لگے اور جان بچا کر بھاگ نکلا
اس کارروائی پر مسٹر مسعود بھگوان نے دوسرے روز تحقیقاتی افسروں کا دستہ بھیج دیا۔ انہوں
نے مفتی صاحب کی باتیں سننے پر اطمینان کا اظہار کیا ڈاکٹر امیر علی اور ناظم اعلیٰ اوقاف کی
خواہش پوری نہ ہو سکی تو اس نے مفتی صاحب کو ترقی کے جھانسے جامع مسجد خراسیاں
سے نکالنے کی کوشش کی آپ نے ترقی کو رد کر دیا تو اس نے علماء کرام کے ایک وفد کو آپ کے
ہاں بھیجا باتیں ہوئیں اور خوب ہوئیں اور آپ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے علماء کرام کے احترام کے
پیش نظر استعفاء دے دیا لیکن مسعود بھگوان کے خلاف ایسی تحریک چلی کہ سابق گورنر لفٹیننٹ
جنرل عتیق الرحمن نے اسے معطل کرنے کے آرڈر جاری کر دیئے جیسے سابق ایئر مارشل نور خان
نے گورنری کے عہدے پر فائز ہوتے ہی محکمہ اوقاف کی نظامت عظمیٰ سے نکال باہر کیا۔ یہ
جامعہ نظامیہ رضویہ کی متحرک انتظامیہ کا وہ سنہری کارنامہ ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا حقیقت
ہے کہ جامعہ نظامیہ رضویہ کی تاریخ ایسے ہی سنہری کارناموں سے عبارت ہے جن پر
سواد اعظم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

تحریکِ ختمِ نبوّۃ

علماء ومشائخ کرام کا مقدس گروہ نامساعد اور حوصلہ شکن حالات میں بھی ہمیشہ پرچم
اسلام بلند کرنے میں کوشاں رہا ہے۔ یہ علماء ومشائخ ہی کا نورانی سلسلہ تھا جس نے دین اسلام
کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا قلع قمع کیا۔ گاندھی کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنایا، شدھی
کی تحریک کو موت کے گھاٹ اتارا، نظریہ پاکستان کا پرچار کیا، تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار
کیا، جہاد کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سب سے بڑھ کر تحریک ختم نبوت کے لیے متاع زیست
کو وقف کر دیا۔ اور حقیقتہً یہی وہ مرکزی مسئلہ ہے جس کے گرد جملہ مسائل طواف کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں غازی اسلام مولانا ابو الحسنات قادری، مولانا عبد الحامد
بدایونی، علامہ عبد الغفور ہزاروی علیہم الرحمۃ، مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مجاہد ملت مولانا عبد الستار
خان نیازی، مفتی خلیل احمد قادری کے علاوہ سینکڑوں علماء اہل سنت کو قید وبند کی صعوبتوں

سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عاشقانِ مصطفےٰ مقامِ مصطفےٰ کا تحفظ کرتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ مجاہدِ ملت علامہ عبدالستار خان نیازی کو کئی ماہ کی قید کے بعد سزائے موت سنائی گئی مگر ان کے پائے استقلال کو جنبش تک نہ ہوئی حتیٰ کہ موت کو شکست اور مولانا کو اپنے مشن میں عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔ مجھے اختصار ملحوظِ خاطر ہے اس لیے ماضی کی ان مقدس یادگاروں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں صرف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے جو مثالی کردار انجام دیا اس کا خاکہ پیش کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

۲۵ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر اُمتِ مرزائیہ نے مسلمان طلباء پر حملہ کر دیا، دو گھنٹے تک ریل پر قبضہ جمائے رکھا، گویا کہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو چیلنج دیا وہ مسلمانوں کو آزمانا چاہتے تھے کہ کیا ان کی غیرت و حمیت مرچکی ہے یا زندہ ہے۔

اس سانحہ کا ظہور پذیر ہونا تھا کہ مسلمانانِ پاکستان نے اپنی غیرت و حمیت کا ایسا ناقابلِ فراموش مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ سوادِ اعظم کے ساتھ دوسرے فرقوں نے بھی اتفاق کیا اور اتحاد سے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی بھرپور معاونت کی، ملک میں مرزائیوں سے بائیکاٹ کی اسکیم کامیابی سے چلی، اُمتِ مرزائیہ کو اندرون و بیرونِ ملک چلنا دوبھر ہوگیا، عوام و حکام، حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف نے بڑی سنجیدگی سے اس ناسور کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا تہیہ کرلیا۔ البتہ مولوی عبدالحکیم ہزاروی دیوبندی مولوی غلام غوث ہزاروی دیوبندی اور ان کے چند حواریوں کے سوا پاکستان میں ایک بھی ایسا فرد نہ تھا جو اس تحریک کی راہ میں روڑا بنا ہو۔

اسمبلی کے اندر اور باہر ملک کے ہر شہر اور قصبہ میں تحریک زوروں پر چل رہی تھی حکومت نے گرفتاریوں کا وسیع سلسلہ شروع کر رکھا تھا سینکڑوں عاشقانِ مصطفےٰ جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے کئی خوش قسمت پروانہ وار شمعِ نبوت پر جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہادت کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

لاہور میں تحریک کو نہایت کامیابی سے چلانے کا سہرا جامعہ نظامیہ رضویہ کے باہمت اور غیور مدرسین و طلباء کے سر ہے جن کے شب و روز اس مشن کی تکمیل کے لیے وقف تھے حکومت کی نظر میں جامعہ کا یہ اقدام ناقابلِ برداشت تھا چنانچہ عتاب نازل ہوا اور پہلی فرصت میں جامعہ کے ممتاز علماء میں سے مولانا سید غلام مصطفےٰ عقیل، مولانا غلام ربانی قمر، مولانا حافظ منظور الحق ہاشمی کو گرفتار کرکے جیل میں بند کر دیا گیا۔ مولانا محمد اسماعیل ہزاروی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے، ابھی ان کی جیل میں بند ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ حکومت نے تحریکِ ختمِ نبوت کی کامیابی کو محسوس کرلیا کیونکہ قید و بند کی صعوبتوں اور گولیوں سے عاشقانِ مصطفےٰ کے جذبات کو ٹھنڈا نہ کر سکی بلکہ حکومت کے اس اقدام نے ہی اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی مدرس جامعہ نظامیہ مجلسِ عمل تحفظ ختمِ نبوت علاقہ لوہاری منڈی کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی مساعیٔ جمیلہ کو بڑے احسن طریقہ سے بروئے کار لاتے رہے قومی اسمبلی میں جمعیۃ العلماء پاکستان کے نمائندوں کو بعض کتب کی ضرورت پڑی تو جامعہ نے بڑی مستعدی سے یہ فریضہ انجام دیا۔

مئی ۱۹۷۴ء سے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء تک جامعہ ہذا نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بجاہ حبیبہ الاعلیٰ اس تحریک کو عدیم النظیر کامیابی عطا فرمائی اور مسلمانانِ پاکستان کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء/۱۹ شعبان ۱۳۹۴ھ بروز ہفتہ کا وہ مبارک اور تاریخی لمحہ نصیب ہوا جس میں متفقہ طور پر قومی اسمبلی میں دورِ حاضر کے اس دجال اور کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کی اُمت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا اور آئین پاکستان میں نئی دفعات کا اضافہ ہوا۔

چونکہ قائد اہلِ سنت مولانا الحاج الحافظ القاری شاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان، مجاہدِ ملت مولانا الحاج عبدالستار خان نیازی، علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری۔ مولانا سید محمود شاہ صاحب گجراتی، مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی اور دیگر اکابر اہلِ سنت نے قومی اسمبلی کے اندر اور باہر اس تحریک میں اہم کردار انجام دیا تھا اس لیے ان اکابر کی خدمت

میں جامعہ نظامیہ رضویہ نے ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لیے ایک دعوت استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ اور مورخہ ۲۰ شوال ۱۳۹۴ھ / ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء جامعہ میں عظیم الشان اجتماع ہوا۔ پاکستان کے چاروں صوبوں کے علاوہ آزاد کشمیر کے نمائندوں اور سوادِ اعظم کے عوام و خواص نے اپنے قائدین کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ جامعہ کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ بے نظیر اجتماع تھا جس میں اہل سنت و جماعت کے اکابر علماء کثیر تعداد میں تشریف لائے قائدین جمعیۃ العلماء پاکستان نے حاضرین سے تین گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ ایسے ہی اہم واقعات کا امین ہے جو مستقل اہمیت کے حامل ہیں جن کی مستقبل میں حیثیت مزید اجاگر ہو گی۔

تحریکِ نظامِ مصطفٰے!

کہتے ہیں کہ لارڈ ڈلہوزی برصغیر پاک و ہند پر قہرِ الٰہی بن کر نازل ہوا تھا ہو گا۔ مگر پاکستان پر ذوالفقار علی بھٹو تو عذاب الٰہی سے کم ثابت نہیں ہوا۔ اور یہ عذاب بڑی مہیب صورت میں نازل ہوا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اس کے نزول کا نقطۂ آغاز تھی، معاہدۂ تاشقند اس کے لیے ہتھیار بن گیا۔ اور پھر اسے ایک بہت بڑا راز قرار دے کر عوامی جذبات کے ساتھ اس نے کھیلنا شروع کر دیا۔ کنونشن مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کر کے پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی اور چیئرمین کے منصب سے اس نے اپنے گرد جاگیرداروں، سرمایہ داروں، صنعتکاروں اور پاکستان کے تمام بڑے بڑے خاندانوں کو جنہیں ملک و ملت سے بڑھ کر اپنا مفاد عزیز تھا اپنے ساتھ ملا لیا اور اس پر طرہ یہ کہ غریبوں، محنت کشوں، مزارعوں کی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر روٹی کپڑے اور مکان کے خوش کن نعروں سے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کو عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی لے ڈوبی اور یہ صیاد نئے جال سے عوام کو شکار کرتا آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ سابق صدر پاکستان محمد ایوب خان مرحوم نے عنانِ حکومت مارشل لاء کے سپرد کر کے یحییٰ خان کے ہاتھ ملک کی قسمت وابستہ کر دی۔ یحییٰ خان نے بین الاقوامی سازش

کو بڑھاوا دیا اور بعض ملک دشمنوں کی آواز پہ کان دھرتے ہوئے ون یونٹ توڑ کر صوبائی خودمختاری کے فتنہ کی راہ کھول دی انتخابات کی تاریخ کا اعلان ہوتے ہی تمام سیاسی پارٹیاں میدان میں کود پڑیں۔ بھٹو اور بھاشانی، شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی ہم خیال بعض اور پارٹیوں نے تھیں اشتراکیت کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے۔ اسلام مردہ باد، سوشلزم زندہ باد کے نعروں سے سرزمین پاکستان تھرا اٹھی، قرآن کریم جلائے جانے لگے ملک میں اسلام دشمن طاقتوں نے کھل کھیلنا شروع کر دیا اسلام پسند پارٹیوں نے اپنی اپنی الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی تھی اور ان میں ایسی جماعتیں بھی شامل تھیں جو تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لیے کانگریس کی حلیف تھیں۔ انہوں نے کمال ہوشیاری سے سوشلزم کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ملک کے تمام مکتبۂ فکر کے اکابر علماء کرام جن کی تعداد ایک سو تیرہ تھی سوشلزم کے خلاف فتویٰ جاری کر دیا کہ سوشلزم کو اسلام کے عادلانہ نظام کے سامنے پرِ کاہ کی بھی حیثیت حاصل نہیں سوشلزم کی حمایت در اصل اسلام سے دشمنی کے مترادف ہے اس پر جمعیۃ الاسلام کے سربراہ مولانا مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی نے علماء کرام کے فتویٰ کو رد کرتے ہوئے بھٹو کے مشن کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اکثر مقامات پر مشترکہ انتخابی جلسوں سے خطاب کیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مفتی محمود نے ایک سو تیرہ علماء کرام کے فتویٰ کی بڑی بے باکی سے توہین کی اور فتویٰ کے رد میں جمعیۃ الاسلام کے سرچھوٹے بڑے کارکن نے محاذ کھولا۔ اِدھر مولانا بھاشانی نے مغربی پاکستان کا ملک گیر بذریعہ ٹرین دورہ شروع کر دیا۔ ساہیوال اسٹیشن پہ ہنگامے کرائے اور وہاں عاشقانِ مصطفٰے کو زد و کوب کرانے کے علاوہ جیل تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی پھر ہر جگہ یہی کہتے جاتے کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا ہے۔ ملک گیر دورہ کے بعد اس نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک ملک گیر ریلی کا انعقاد کیا جس میں سوشلزم کے پجاری، وطن دشمن عناصر جو زیر زمین پاکستان کو ختم کرنے کے منصوبے بناتے رہتے تھے جوق در جوق ٹوبہ ٹیک سنگھ پہنچنا شروع ہو گئے۔ سوشلزم ریلی منعقد ہوئی اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کا

نام بھاشانی صاحب نے لینن گراڈ تجویز کیا۔ جیسے اشتراکی اخبارات نے خوب اچھالا اس کے توڑ کے لئے پاکستان میں کسی جماعت کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی تو جمعیۃ العلماء پاکستان نے آل پاکستان سُنّی کانفرنس کا اعلان کر دیا اس کانفرنس کے اعلان ہوتے ہی سوادِ اعظم کا بچہ بچہ ٹوبہ ٹیک سنگھ جانے کے لئے کمربستہ ہوگیا۔ اتنا جوش اتنا ولولہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا کراچی سے پشاور تک سُنّی کانفرنس کے چرچے ہو رہے تھے، علماء اہلِ سُنّت اور اکابر جمعیۃ العلماء پاکستان اس کانفرنس کو تاریخ میں مثالی بنانے کے لئے شب و روز ایک کئے ہوئے تھے۔ سوادِ اعظم کی بیداری کی انتہا تھی ۱۳ر جون ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں عظیم الشان آل پاکستان سُنّی کانفرنس کے انعقاد نے سوشلزم کے پجاریوں کو ناک چنے چبوا دیئے۔ دو لاکھ سے زائد سُنّی عوام اور تین ہزار سے زیادہ مشائخ عظام و علماء کرام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جس میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین الحاج الحافظ خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی زیبِ سجادہ آستانہ عالیہ سیال شریف کو متفقہ طور پر جمعیتہ العلماء پاکستان کا مرکزی صدر چنا گیا جب کہ علامہ سید محمود احمد رضوی ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بھاشانی کی ریلی نے چونکہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینن گراڈ تجویز کیا تھا اس لیے ردِ عمل کے طور پر مشائخ کرام و علماء عظام نے اس شہر کا نام بدل کر دارالاسلام رکھ دیا۔ سلطان المناظرین مولانا محمد عمر صاحب اچھروی علیہ الرحمۃ نے حضرت شیخ الاسلام کی ملکی و ملّی خدمات کے اعتراف کے طور پر ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام خواجہ آباد رکھنے کی تجویز پیش کی مگر حضرت خواجہ صاحب مدظلہ نے اسے ناپسند فرماتے ہوئے دارالاسلام کا نام رکھنے کی تجویز دی جو پاس کی گئی۔ گورنمنٹ نے بھی اسے قبول کرتے ہوئے منظور کر لیا مگر نہ جانے کون سی مصلحت کارفرما رہی کہ دفتری کارروائی سے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ آل پاکستان سُنّی کانفرنس کی کامیابی نے جمعیۃ العلماء پاکستان کو ملک کی ایک مقبول ترین جماعت کے طور پر تعارف کرایا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود ہنگامی دورے شروع فرمائے سینکڑوں سُنّی کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ اس دور میں بھٹو ایک انقلابی رہنما بنا ہوا تھا، فتنہ پرور طاقتیں اس کی

پشت پناہ تھیں۔ مگر ادھر بھٹو کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے جمعیۃ العلماء پاکستان کے سوا کوئی اور جماعت میدان میں نہیں تھی ہر جماعت انتخابات میں اتفاق و اتحاد کی بجائے الگ الگ اپنے نمائندے کھڑے کرنے پر مصر تھی۔ آخر جب انتخاب ہوئے نتیجہ سامنے آیا تو مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ بڑی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو چکی تھیں باقی تمام سیاسی جماعتوں کو کوئی واضح کامیابی حاصل نہ کی۔ البتہ جمعیۃ العلماء پاکستان جس کی تنظیم تو صرف تین ماہ قبل دارالاسلام ٹوبہ میں ہوئی تھی اس نے اپنی کم عمری کے باوجود خاصی سیٹیں حاصل کرلیں بلکہ ووٹوں کی تعداد میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

انتخابات میں عوامی لیگ نے پیپلز پارٹی سے بھی زیادہ نشستیں جیتیں۔ اور اصولی طور پر شیخ مجیب الرحمٰن کو حکومت بنانا تھی مگر بھٹو صاحب کو یہ برداشت نہ تھا۔ اس لیے اس نے شاطرانہ چالیں چلنی شروع کر دیں۔ اسمبلی کے منتخب ارکان کو ٹکس اپ کی دھمکیاں دینی کر دیں، ادھر تم ادھر ہم کا نعرہ لگایا مشرقی پاکستان جانے والے اسمبلی ارکان کی ٹانگیں تک توڑ دینے کا اعلان کرتا رہا۔ اور اندر ہی اندر یحییٰ خان کو اپنے دام میں لینے کی اسکیم پر کامیاب ہوگیا۔ اس غدارِ وطن نے نیو پاکستان کا بانی بننے کی طرح ڈالی اور پاکستان کے اندرونی حالات اتنے مخدوش کر دیئے جس کی مثال نہیں ملتی مشرقی پاکستان کے عوام اپنے ساتھ اس توہین آمیز ناانصافی کو نفرت سے دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے ہندوستان نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فوج کو مشرقی پاکستان میں دھکیل دیا۔ اور ساتھ ہی مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ بھٹو بڑی عیاری سے یقین دلا رہا کہ امریکہ کی طرف سے ساتواں بحری بیڑا پاکستان کی امداد کے لیے آ رہا ہے۔ چین نے ہماری بھرپور امداد کا وعدہ کر لیا ہے۔ ان چالوں کو اس وقت تک چالو رکھا جب تک سقوطِ ڈھاکہ کا اعلان نہ ہوگیا۔ اقوام متحدہ میں پاک بھارت جنگ پر بلائی گئی ہنگامی کانفرنس میں تین روز تک اس شہزادے نے شمولیت کو گوارا نہ کیا۔ پھر اس فلمی ایکٹر نے ایک قابلِ عمل قرارداد کو بڑی حقارت سے پھاڑا اور ہاؤس سے باہر نکل آیا۔ اگر اس قرارداد

کو مان لیا جاتا تو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا المناک صدمہ نہیں برداشت کرنا پڑتا مگر اسے تو ملک و ملت کے مفاد سے زیادہ اقتدار عزیز تھا اور وہ بھی ایک ایسے آمر کی حیثیت سے جس کے متعلق ماضی کی تاریخ میں کوئی مثال نہ مل سکتی ہو۔ اس ظالم کے کردار سے پاکستان ٹوٹا، افواج پاکستان کی عظمت خاک میں ملی، فوج اور عوام کو انڈیا کا قیدی بنایا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو باعزت یکطرفہ طور پر بغیر کسی شرط کے رہا کیا گیا جب کہ انڈیا مجیب الرحمٰن کی رہائی کے بدلے افواج پاکستان اور عوام جو اس کی قید میں پڑے سڑ رہے تھے رہا کرنے پر تیار تھا۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کے پردہ میں بنگلہ کو منظور کرنا جبکہ پوری قوم اس کے خلاف تھی۔ اور پھر مغربی پاکستان جسے اب اس نے نئے پاکستان کا نام دے دیا تھا۔ اسمبلی کی کارروائی شروع ہوئی تو اس نے قومی اسمبلی کے منتخب ارکان کو خوف و لالچ سے خریدنا چاہا۔ من مانی کارروائی کو دستور سے تعبیر کیا جانے لگا۔ پیپلز پارٹی کے ہر منتخب رکن نے اس ظالم کو اپنی عزت و آبرو و ننگ کا مالک تسلیم کر لیا سیاسی پارٹیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی خاطر ایف ایس ایف اور افواج پاکستان کے مقابل ایک نئی فوج تیار ہونے لگی۔ جمہوریت کا پرچار کرنے والے اس مکار نے جمہوریت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ عوامی اجلاس تو کجا اسمبلی کے ارکان تک بائیکاٹ پر مجبور ہو گئے۔ روٹی، کپڑے اور مکان کا نعرہ لگانے والے نے عوام کو روٹی کی بجائے گولی، کپڑا کی بجائے کفن، اور مکان کی جگہ قبر کے سامان مہیا کر دیئے۔ مزدوروں کی ہمدردی کا دعویٰ اگلنے والے اس بے رحم انسان نے شیطان کو بھی مات کر دیا اور مزدوروں کو لب کشائی کی نوبت تک نہ آنے دی اگر کسی طرف سے اپنے حقوق کی آواز بلند کرتا تو گولیاں اس کا استقبال کرتیں، لوگ مٹی کے تیل تک کے لیے قطار میں کھڑے رہتے۔ راشن ڈپو سب کے سب پیپلز پارٹی کے غنڈوں کے ہاتھ آ گئے۔ چینی، آٹا، چاول، گندم حتیٰ کہ سبزیاں سب اشیاء پر آفت بن کر چھا گئے عریانی، فحاشی کے لیے ہفتے منائے جانے لگے اور ملک بھر میں دوروں کا پروگرام اپنے وقت کے اس ہٹلر نے اس نہج پر ترتیب دیا کہ جس شہر یا صوبے کا دورہ

مسافر بسوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو جاتی مسافروں کو راستے ہی میں اتار دیا جاتا، بچے بلبلاتے عورتیں چیختیں، بڑے منتیں کرتیں، مگر اس جابر اور ظالم کی خواہشات کی تکمیل کے لیے پولیس و حکام کو مسافروں کی مجبوریاں، بچوں کی آہیں، عورتوں کا چلانا، بیماروں کا کراہنا بڈھوں کا رونا سنائی نہ دیتا۔ اگر کہیں عوام نے احتجاج کیا تو پولیس گولی سے خاموش کر دیا جاتا۔ دنیا پکار اٹھتی خدایا اس عذاب سے بچا۔ الغرض باشندگان پاکستان اس آمر مطلق کے پنجہ استبداد میں پھنس کر رہ گئے اور اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا۔ اگر کبھی کبھار قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا نمائندہ مر جاتا تو ضمنی انتخاب کے لیے ایف ایس ایف اور غنڈوں کی فوج ظفر موج ووٹروں کا کام خود ہی انجام دیتی ساتھ ہی ساتھ اگر کوئی شریف انسان ووٹ ڈالنے پولنگ اسٹیشن پر جاتا تو بھٹو شاہی کے افراد ٹھٹھا کرتے کہ جاؤ حضرت آپ نے تو بڑا ہی تکلف فرمایا۔ جاؤ تمہارا ووٹ ڈال دیا گیا ہے۔ ان ہتھکنڈوں سے ضمنی انتخاب جیتے جاتے اپوزیشن نے ایسی مکروہ چالوں کو ناکام بنانے کیلئے ضمنی انتخابات کا مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ البتہ پاکستان بھر میں جمعیۃ العلماء پاکستان واحد جماعت تھی جس نے ضمنی انتخاب کے ذریعہ بھی بھٹو شاہی کو شکست دینے کی پالیسی جاری رکھی اور پھر عوام نے دیکھا کہ حیدرآباد کے ضمنی انتخاب میں جمعیۃ العلماء پاکستان کا امیدوار جناب محمد عثمان کینسیڈی بھاری اکثریت سے پیپلز پارٹی کو شکست دے کر کامیاب ہوا۔

اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ دارالاسلام ٹوبہ سنی کانفرنس میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی مدظلہ کو جمعیۃ العلماء پاکستان کا مرکزی صدر چنا گیا تھا ۱۹۷۰ء کے انتخاب ہونے کے بعد آپ کی جگہ حضرت مولانا الشاہ احمد نورانی جمعیۃ العلماء پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔ قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کی صدارت میں جمعیۃ العلماء پاکستان نے ایک مقام حاصل کیا۔ اور سیاسی طور پر یہ بڑی ہی فعال جماعت ثابت ہوئی۔ ملک و ملت کی اکثریت آج اسی جماعت سے وابستہ ہے، سواد اعظم کی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہوئی اور اس جماعت کی جاندار قیادت

نے مایوسیوں کے باوجود اپنی الگ حیثیت منوالی ہے۔ الغرض بھٹو شاہی کا دور پاکستان کے لئے انتہائی بھیانک دور ہے جس میں دین کا مذاق اڑایا گیا، علماء کی توہین کی گئی، عصمتوں کو لوٹا گیا، قتل کے بازار گرم رہے، معاشی بدحالی انتہا کو پہنچی، ملکی وقار خاک میں مل گیا، بین الاقوامی ساکھ ختم ہو کر رہ گئی، عیاشیوں کے دروازے کھلے، خزانہ خالی ہو گیا، مگر اس ظالم کا طمطراق قائم رکھنے کے لئے غنڈوں نے اسے پوجنا شروع کر دیا۔ اس گھٹن میں امید کی کرن چمکی اور اس آمرِ مطلق نے اچانک انتخابات کا اعلان کر کے قوم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ کیوں کہ اس نے اپنی کامیابی کا پورا سامان کر لیا تھا۔ اسے یہ امید تھی کہ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہیں۔ پہلے انتخاب کی طرح اس دفعہ بھی علیحدہ علیحدہ اپنے نمائندے کھڑا کریں گی۔ اور میرے حربوں اور شاطرانہ چالوں کے سامنے یہ پہلے ہی بے بس ہیں، کیا کر سکیں گی۔ یوں بھی ہر عیار کو اپنا زر خرید غلام بنا لیا ہے چند سیاسی رہنما میرے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ الغرض اس نے ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی اور ۱۰ مارچ ۱۹۷۷ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا اعلان کر دیا محدود پیمانے پر سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ اور پھر عوامی جذبات کے پیش نظر سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمائی۔ اتحاد کی باتیں ہونے لگیں، جمعیۃ العلماء پاکستان اور تحریک استقلال کا آپس میں پہلے ہی تعاون تھا۔ البتہ دوسری جماعتوں کے اتحاد کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ تھا۔ آخر کار جمعیۃ العلماء پاکستان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئی اور جمعیۃ العلماء پاکستان کے نائب صدر جناب چوہدری رفیق احمد باجوہ کے مکان پر ایک ہی رات میں اتحاد ہو گیا۔ اس اتحاد کی عوام میں بڑی پذیرائی ہوئی، مشترکہ طور پر انتخابی مہم کا آغاز کراچی سے ہوا۔ اور آناً فاناً پورا ملک نظام مصطفےٰ کے نعروں سے سرشار پاکستان قومی اتحاد کی حمایت میں کمربستہ ہو گیا۔ اس عدیم المثال اتحاد سے بھٹو شاہی لرز اٹھی، اور اپنے مخصوص نازی کردار کو بروئے کار لانا شروع کر دیا۔ فیڈرل سیکورٹی کے علاوہ غنڈوں سے امداد حاصل کی گئی مگر یہ تمام حربے ناکام ہو گئے تو انتخابات

میں دھاندلیوں کی ایسی اسکیم تیار ہوئی جو دنیا کے کسی انسان کے خواب میں بھی نہیں تھی۔ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو پولنگ اسٹیشنوں پر عوام کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ مگر ادھر بھٹو کے پجاری وسیع پیمانے پر غنڈہ گردی کر رہے تھے، جعلی ووٹ ہزاروں کی تعداد میں بکسوں میں ٹھونسے جا رہے تھے، ووٹروں کو نہ صرف پریشان کیا جا رہا تھا بلکہ اکثر مقامات پر گولیاں چلتی رہیں۔ کئی ووٹروں کو قتل کر دیا گیا، بعض جگہ نگران عملہ خود ہی ووٹروں کا کام انجام دے رہا تھا۔ اس اندھیر نگری کی حالت ناقابل بیان ہے، کئی پولنگ اسٹیشنوں پر پاکستان قومی اتحاد کے نمائندے نے الیکشن کا بائیکاٹ کر دیا تھا، عوام نتائج کے اعلان کے منتظر تھے۔ ۷ مارچ کا سورج غروب ہوا، رات سر پر آئی، ہر گھر ریڈیو سیٹ چل رہے تھے اور اناؤنسر بڑی مکاری سے عوامی جذبات کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق کسی کینڈیڈیٹ کا نام لیتا تو پیپلز پارٹی کے نمائندے کے حاصل کردہ ووٹ پہلے اعلان میں کم سناتا۔ دو تین پولنگ اسٹیشنوں کے حاصل کردہ ووٹوں کی کم گنتی جتلانے کے بعد اچانک تعداد میں اضافہ کرتا جاتا۔

خدا خدا کر کے یہ قیامت کی رات گزری تو صبح عوام کا سمندر سڑکوں پر ان جعلی نتائج پر احتجاج کرنے کے لیے امڈ پڑا۔ پاکستان قومی اتحاد کے مرکزی رہنماؤں نے بھی ان نتائج کو رد کرتے ہوئے ۱۰ مارچ ۱۹۷۷ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ لوگوں نے ۱۰ مارچ کو دیکھا کہ پولنگ اسٹیشنوں پر الو بول رہے تھے۔

بلوچستان میں تو مکمل طور پر پاکستان قومی اتحاد بائیکاٹ کر چکا تھا۔ اب پیپلز پارٹی کے غنڈے بغلیں جھانک رہے تھے۔ انتخابات کے ان حیران کن نتائج اور اس پر ردّعمل سے خود دشمن خائف و حیران تھا۔ اور اسے کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کرے مگر اس ظالم کے سامنے تو گزشتہ تجربات تھے اور ان تجربات کی روشنی میں اپوزیشن کو دبانا چاہتا تھا۔ لیکن اسے خبر نہیں تھی کہ اب وقت گزر چکا ہے ظالمانہ حربے اب دفاع نہیں کر سکتے، پاکستان قومی اتحاد کے مرکزی سربراہوں نے

۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو تحریک چلانے کا اعلان کردیا اور پھر یہ دیکھتے ہی دیکھتے تحریک نظام مصطفےٰ نے پورے ملک کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ہٹلر، مسولینی، لارڈ ڈلہوزی، میجر ہڈسن ایسے ظالم ترین انسانوں سے بھی اس ظالم نے بازی لے جانے کی کوشش میں سب کچھ داؤ پر لگادیا۔ لاٹھی، گولی، اشک آور گیس، گیس کے شیل، پولیس، فیڈرل سکورٹی فورس، جانباز فورس، مجاہد فورس حتیٰ کہ فوج اور عوامی مارشل لاء کے علاوہ پالتو غنڈے، کنجر طوائفیں، ایسی تمام طاقتیں پاکستانی غیور مسلمانوں پر چڑھادیں۔ عورتیں، بچے، بوڑھے نوجوان، طلباء، وکلاء، علماء پروانہ وار عشق مصطفےٰ کا مظاہرہ کررہے تھے تحریک نظام مصطفےٰ کے لئے آگ اور خون سے گزرنا ان کے لیے ایک کھیل بن چکا تھا۔

ملک کی جیلیں ناکافی ہونے کا اعلان کررہی تھیں۔ اور یہ تحریک بازاروں سے جیلوں تک چل رہی تھی جیل کے محافظین خود تحریک کے حامی بن چکے تھے، بعض جگہ جیل کے اندر بھی تشدد جاری رہا۔ مگر ہر نیا سورج اس ظالم کے ہر نئے حربے کو ناکام بناکر غروب ہوتا پاکستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبہ کے علاوہ بعض بستیوں میں بھی اس تحریک نے سر اٹھایا۔ ہر بڑے شہر کے کردار کو اجاگر کرنے کے لئے تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ کراچی، لاہور، ملتان، حیدرآباد، سیالکوٹ، لائل پور، گوجرانوالہ راولپنڈی، اسلام آباد، پشاور، تحریک نظام مصطفےٰ کے مرکز بنے رہے۔ تحریک نظام مصطفےٰ میں لاہور کا کردار پاکستان کے ہر غیرت مند شہری پر واضح ہے۔ یہاں صرف شہر کی مرکزی درس گاہ جامعہ نظامیہ کے طلباء و مدرسین نے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا اسے اختصار کے طور پر پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں جامعہ نظامیہ کا کردار

یوں تو جامعہ نظامیہ رضویہ کا وجود ہی عملاً اس پاکیزہ نظام کا مرہونِ منت ہے جس کی خاطر ملک و ملت کا ہر فرد پیہم قربانیاں دیتا رہا ہے مگر عملاً مملکتِ پاکستان کو اس نظام کے تحت چلانے کی کسی بھی حکمران نے کوشش نہیں کی اور نوبت

یہاں تک پہنچ گئی کہ حکمران طبقہ اسلام سے مذاق پر اتر آیا انتخابات کے دوران دو قسم کے نعرے ہر جگہ گونجتے رہے ایک طرف سے آواز آتی ''طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے'' تو دوسری طرف یہ سنائی دیتا طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں'' اس بنیادی فرق نے واضح کردیا کہ اس سرزمین کے باشندوں کو دہریت کی طرف بڑی تیزی سے چلایا جائے گا ادھر پروردگار عالم نے اپنی معمولی سی گرفت کا اظہار فرماتے ہوئے اس ظالم آمر مطلق کو دھاندلیوں کی پاداش میں اپنی طاقت کا مزا چکھانے کے لیے عاشقان مصطفےٰ کو سرکوں لیا آسنے کا جذبہ مرحمت فرمادیا۔ ادھر پاکستان قومی اتحاد کے قائدین نے تحریک نظام مصطفےٰ کا اعلان کیا ادھر عوام و خواص میدان عمل میں کود پڑے اس جہاد میں جامعہ نظامیہ رضویہ نے اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا جامعہ کے طلباء اور دیگر عملہ نے تن من دھن کی بازی لگادی ۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء سے لیکر جولائی ۱۹۷۷ء تک جس طرح قائدین قومی اتحاد کا اعلان تھا عمل جاری رکھا۔ تحریک کے دوران اپنے تعلیمی فرائض سے بھی بڑے عمدہ طریقہ سے عہدہ برآ ہوتے رہے اور پھر بڑے بڑے جلوسوں میں شمولیت کرکے مجاہدانہ کارنامے انجام دیتے جنہیں عوام دیکھ کر محو رہ جاتے یوں تو جامعہ کے ہر مدرس اور طالب نے کسی نہ کسی طرح تحریک نظام مصطفےٰ میں حصہ لیا مگر یہاں چند مدرسین اور کچھ طلباء کرام کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے نمایاں طور پر تحریک میں خدمات انجام دیں۔

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

آپ جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ اور دارالافتاء کے مفتی، تنظیم المدارس پاکستان اہل سنت وجماعت کے مرکزی ناظم ہیں۔ آپ کی تمام تر صلاحیتیں جامعہ کی تعمیر و ترقی اہل سنت وجماعت کی مرکزی تنظیم کی فلاح و بہبودی اور طلباء کرام میں عمل کی سپرٹ کو تیز کرنے میں وقف ہیں۔ آپ کام کرنا اور کروانا خوب جانتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ فنون کے جامع ہیں تدریس پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ بلند اخلاق اور ملنسار ہیں اکابر اہل سنت وجماعت کی قدر و منزلت سے ان کا قلب مملو ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا الحاج ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ

کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، سیاسی طور پر جمعیت العلماء پاکستان کے حامی و ہمدرد ہیں۔ اس لیے قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی اور مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد جب وجود میں آیا تو اس کے لیے قلب و جگر فرش راہ کیا جب کبھی پاکستان میں مذہبی تحریک چلی آپ نے کھل کر حمایت کی چنانچہ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں آپ کی خدمات سے اکابر اہل سنت متاثر ہوئے، انتخابات میں پاکستان قومی اتحاد کی بھرپور حمایت کی، اور اپنے حلقہ اثر و رسوخ کو اس طرف متوجہ کر کے اتحاد کی قوت بڑھاتے رہے تحریک نظام مصطفےٰ شروع ہوئی تو طلباء و مدرسین جو آپ کی تعمیری صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے میدان عمل میں آگئے اور بھرپور حصہ لیا۔ اس دوران میں جب بھٹو کا عوامی مارشل لاء نافذ ہوا اور شہریوں کو باہر نکلنا دوبھر ہو گیا۔ اس انتہائی نازک مرحلہ میں بھی آپ باقاعدہ جامعہ سے گھر اور گھر سے جامعہ کرفیو کے دوران آتے جاتے رہے اور جامعہ کے انتظام والضرام کی نگہداشت کی، مدرسین و طلباء کو آپ کے کردار سے ہر روز ایک نیا جذبہ اور تازہ ولولہ ملتا۔ آپ ہدایات سے نوازتے اور طلباء کرام نئے جذبات سے سرشار اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے حقیقت ہے کہ مدرسین و طلباء کرام نے جو کردار تحریک نظام مصطفےٰ میں انجام دیا وہ آپ ہی کی تربیت کا ثمرہ ہے اور من وجہ وہ آپ ہی کا کردار ہے اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں سے اہل سنت وجماعت کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی سعادت عطا فرماتے اور آپ کا سایہ تادیر سلامت رکھے تحریک نظام مصطفےٰ کے جواز میں اکابر علماء اہل سنت نے جو فتویٰ جاری فرمایا بتقاضا جماعت اس میں آپ بھی شریک تھے اور فتویٰ پر آپ نے بھی دستخط فرمائے۔

مفتی غلام سرور قادری

حضرت مولانا مفتی ابو سعید غلام سرور صاحب قادری مدظلہ کا اہل سنت وجماعت کے ممتاز اور معروف مدرسین میں شمار ہوتا ہے ادب عربی سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں

تدریس میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر پر بھی عبور حاصل ہے۔ آج کل جامعہ نظامیہ رضویہ میں استاذ الحدیث والادب کے منصب پر فائز ہونے کے علاوہ بیگم جامع مسجد بادامی باغ لاہور میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی ابو سعید صاحب قادری کے آباؤ اجداد کشمیر سے منتقل ہو کر اوچ شریف تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو رہے آپ کے والد ماجد ملک خدا بخش بن ملک محمد موسیٰ موضع ختانی ضلع مظفر گڑھ میں زمینداری کرتے ہیں۔

آپ کے اکابر اساتذہ کرام میں حضرت شیخ الحدیث مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ اور غزالی زماں علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی مدظلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور گرامی قدر اساتذہ کی تربیت کے جوہر آپ سے بخوبی نمایاں ہیں۔ آپ کے مناقب سے صرف نظر کرتے ہوئے یہاں صرف آپ کی تحریکی خدمات کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے، تحریک ختم نبوت میں آپ نے خوب حصہ لیا ——— باوجودیکہ آپ محکمہ اوقاف کے خطیب تھے لیکن بھٹو شاہی اوقاف کے حکام بالا کے سامنے خم ٹھونک کر ڈٹے رہے ——— جس کی پاداش میں آپ کو ہارون آباد سے گرفتار کر کے بہاولنگر سنٹرل جیل میں بند کر دیا گیا، ہفتہ بھر قید تنہائی میں رہنے کے بعد رہائی ملی۔ اسی طرح تحریک نظام مصطفےٰ میں آپ نے پوری عالمانہ شان سے حصہ لیا اوکاڑہ میں تحریک کو عروج پر پہنچانے میں آپ کی کاوش قابل فخر ہے حتیٰ کہ آپ کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل ساہیوال پہنچا دیا گیا ایک ماہ متواتر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے نہ جانے کب تک محبوس رہتے مگر اللہ تعالیٰ نے غلامان مصطفےٰ کی لاج رکھ لی اور بھٹو کے اعمال اس پر عذاب بن کر نازل ہوئے تحریک نظام مصطفےٰ کے سپاہیوں کو جیلوں میں رہائی کے پروانے ملنے لگے چنانچہ اس دوران میں آپ کی رہائی بھی عمل میں آئی، آپ کا مجاہدانہ کردار سواد اعظم کے لیے باعث صد افتخار ہے اللہ تعالیٰ آپ کے علوم و فنون سے ملت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور جامعہ نظامیہ رضویہ کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے رہیں۔

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری اہل سنت وجماعت کی ایک معروف شخصیت ہیں جن کی تحقیقی، علمی، تاریخی کاوشیں اظہر من الشمس ہیں۔ بڑے وسیع القلب اور شفیق و مخلص انسان ہیں اہل سنت وجماعت کے تحریری خلا کو محسوس فرماتے ہوئے انہوں نے ایک عرصہ سے اس محاذ پہ کام کیا اور آج یہ عالم ہے کہ اہل سنت وجماعت نے اس میدان میں قابل فخر کارنامے انجام دے کر مخالفین کو حیران و ششدر کر دیا ہے آپ بہت سی تاریخی، ادبی، فقہی، (عربی، اردو، فارسی) کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی ضخیم و عظیم تاریخی کتاب تذکرہ اکابر اہل سنت کو عوام وخواص میں بڑی پذیرائی حاصل ہو چکی ہے آپ استاذ العلماء علامہ عطا محمد صاحب چشتی بندیالوی کے تلامذہ میں سے ہیں امام اہل سنت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابوالبرکات سے شرف نسبت رکھتے ہیں۔ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور، مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم گھکوال میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں آخر مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کے ایماء پر جامعہ نظامیہ رضویہ میں چلے آئے اور حضرت مفتی صاحب نے آپ کی فنی صلاحیتوں کے باعث آپ کو جامعہ کے صدر المدرسین کا عہدہ تفویض فرمایا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تحریری میدان میں کمی نہیں آنے دی بلکہ اسے بام عروج پہ پہنچانے کے لیے ایک وسیع منصوبہ مرتب کیا۔ اور چند ساتھیوں کی شرکت سے مکتبہ قادریہ قائم فرمایا آج مکتبہ قادریہ اہل سنت وجماعت کے اشاعتی اداروں میں بلند مقام رکھتا ہے۔ مولانا شرف قادری مدظلہ کی تربیت سے طلباء کرام میں تحریری ذوق میں خاصا اضافہ ہوا۔ بعض ہونہار طلباء نے اپنی گرہ سے قابل قدر رسائل شائع بھی کئے۔ اسی طرح آپ کے فیوض سے طلباء میں عشق مصطفےٰ کی دولت بڑھ رہی ہے جب تحریک نظام مصطفےٰ شروع ہوئی تو آپ جانثاری کے لیے بیقرار نظر آتے، بارہا گرفتاری پیش کرنے کی تیاری کی خصوصاً جب قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کو بھٹو کے حکم پہ گرفتار کر لیا گیا

اس روز بڑے بیتاب ہوتے اسی روز آپ کے خسر صاحب کا وصال ہو گیا۔ مگر اپنے خسر کے وصال سے زیادہ مولانا شاہ احمد نورانی کی گرفتاری سے متاثر تھے اور راقم الحروف سے کہنے لگے اب ہمیں بھی گرفتاریاں پیش کرنی چاہیئے میں نے جواباً کہا اگر ہماری گرفتاری تحریک کے لئے باہر رہنے سے زیادہ موثر ہے تو اس پر فوری عمل کے لئے تیار ہوں۔ مگر جذبات پر قابو رکھیئے اور سوچئے تحریک کے لئے آپ کا باہر رہنا از حد ضروری ہے۔ کیوں کہ طلباء جو تحریک کا ایک کردار بن چکے ہیں ان کی تربیت اور ان کو ہدایات سے نوازنا اور ان کے حوصلے بڑھانا گرفتاری سے بھی اہم ہے۔ چنانچہ آپ نے میری اس بات کو پسند کیا اور جیل سے باہر ہی طلباء کو گائڈ کرتے رہے۔ آپ نے متعدد جلوسوں میں شرکت فرمائی خصوصاً تحریک نظام مصطفےٰ کے جواز میں اکابر علماء اہل سنت نے جو فتویٰ جاری کیا اس فتویٰ کے محرک آپ ہی ہیں اور فتویٰ کا مضمون آپ نے ہی ترتیب دیا جس پر اکابر علماء نے اپنے دستخط ثبت فرمائے جسے بعد میں اخبارات کے ذریعہ مشتہر کیا گیا اور اس فتویٰ نے تحریک کو مزید جلا بخشی۔ تاریخ میں آپ کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

آپ نے متعدد جلوسوں میں شرکت فرمائی خصوصاً ۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو مسلم مسجد میں علماء کرام کے جلوس میں شریک ہوتے اسی طرح نسبت روڈ پر نکلنے والے جلوس میں شامل ہوتے جامع مسجد کرشن نگر میں جمعہ کے خطبوں میں آپ نے تحریک نظام مصطفےٰ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور وہاں سے نکلنے والے جلوس کے قائدین میں شامل تھے۔

مولانا محمد صدیق ہزاروی

موضع چھپڑ علاقہ مانسہرہ، ہزارہ کے رہنے والے ہیں حضرت مولانا مفتی

محمد عبدالقیوم ہزاروی کے شاگرد رشید ہیں جامعہ نظامیہ رضویہ کے اکابر فضلاء میں سے ہیں علوم عربیہ کی تکمیل کے ساتھ گریجوایٹ بھی ہیں، جامعہ میں ایک عرصہ سے تدریس کے ساتھ ساتھ تنظیمی امور کی انجام دہی میں حضرت مفتی صاحب کے معاون ہیں، جامع مسجد خراسیاں میں امامت و خطابت کے فرائض بھی آپ ہی کے سپرد ہیں۔ تنظیم المدارس اور دارالعلوم کی لائبریری کی خدمات بھی آپ سے وابستہ ہیں۔ آپ کی قابلیت مسلّمہ ہے انتہائی خاموش طبع اور حلیم الفطرت انسان ہیں، تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں علاقہ لوہاری منڈی کی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی صدارت آپ کو سونپی گئی اور آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے تحریک ختم نبوت کو بڑی کامیابی سے آخر تک جاری رکھا حتیٰ کہ بھٹو شاہی تحریک ختم نبوت کی کامیابی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی۔ عدیم الفرصت ہونے کے باوجود بھی آپ نے ایک اہم تاریخی کتاب "تعارف علماء اہل سنت" تصنیف فرمائی ہے جو بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ تحریک نظام مصطفےٰ میں آپ نے باقاعدہ حصہ لیا۔ لاہور میں نکلنے والے تمام مرکزی جلوسوں میں شامل ہونا معمول رہا ظلم و تشدد کی بھیانک ساعتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، غنڈوں کے اوچھے ہتھکنڈوں سے تڑپ اٹھے اور ملت اسلامیہ پاکستان کی نجات کے لیے نمناک آنکھوں سے دعائیں کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے اس کمینہ فطرت شیطان صفت انسان نما حیوان کے شکنجے سے رہائی نصیب فرمائے۔ آپ کی معیت میں اکثر و بیشتر طلباء خصوصاً حضرت مولانا حافظ محمد عبدالستار صاحب ساتھ رہے آپ انہی کے احوال میں ان کی روئداد کو ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا حافظ عبدالستّار

جامعہ نظامیہ کے زیرک عالم، اعلیٰ البصیرت کے مالک، انتہائی دور اندیش اور قابل ترین مدرس ہیں۔ آپ نے سند فراغت جامعہ سے ہی حاصل کی اور شعبہ تدریس سے منسلک ہو گئے دیگر تنظیمی امور کی انجام دہی میں بھی حضرت مفتی صاحب

کا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ اکابر ملت سے والہانہ عقیدت اور عشق مصطفےٰ ان کا سرمایہ زیست ہے، جامع مسجد غوثیہ قلعہ گوجر سنگھ میں خطابت فرماتے ہیں۔ ضلع راولپنڈی کا ایک قصبہ گنگالوالہ میں آپ کے والدین رہائش پذیر ہیں۔ وہی آپ کا مولد ہے۔ مگر دین کی محبت اور علم کے حصول نے لاہور پہنچایا اور پھر بعد از فراغت یہیں کے ہو کر رہ گئے حضرت مفتی صاحب کی نگاہِ فراست نے اپنے شاگردوں میں سے بعض ایسے جوہر آبدار تلاش کر لیے ہیں جو مستقبل میں اہل سنت و جماعت کی آرزوؤں کی تکمیل کا باعث بننے والے ہیں۔ انہی میں مولانا حافظ عبدالستار صاحب بھی ہیں اس لیے ان کی اسی نہج پر تربیت فرمائی کہ آج اگر ایک طرف اعلیٰ مدرس ہیں تو دوسری طرف صاحب قلم بننے کی صلاحیتوں سے بھی مالامال ہیں چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے آپ سے فرمایا کہ تصانیف علماء اہل سنت پر ایک جامع کتاب مرتب کی جائے اور جن قیود و شرائط کا پابند بنایا بعینہٖ انہی شرائط پر آپ نے ایک نہایت اعلیٰ کتاب مرتب فرما دی جو انشاءاللہ العزیز مستقبل قریب میں منصہ شہود پر آ جائے گی۔ تحریک ختم نبوت میں آپ نے حضرت مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی کے شانہ بشانہ کام کیا تھا اور اسی طرح تحریک نظام مصطفےٰ میں بھی آپ نے انہی کی معیت میں خدمات انجام دیں۔ آپ اپنی روئداد سناتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تحریک نظام مصطفےٰ میں ابتداء سے انتہا تک مذہبی فرض سمجھ کر شریک رہا پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے اعلان ہوا کہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۷ء کو بعد نماز عصر سنہری مسجد لاہور میں نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے جلوس نکالا جا رہا ہے چنانچہ نماز ظہر کے بعد مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی کے ساتھ جلوس میں شرکت کا عزم لئے سنہری مسجد پہنچ گئے۔ مسجد کی طرف جانے والے تمام راستوں پر پولیس کی بھاری تعداد موجود تھی، نماز عصر سے قبل ہی پولیس نے مسجد کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ لوگوں نے احتجاج کیا تو جواباً پولیس نے آنسو گیس کا استعمال شروع کر دیا، چوک رنگ محل تک آنسو گیس نے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، تاہم پھر بھی ہم کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے سنہری مسجد میں داخل ہو گئے معترین کے اظہار خیال اور نماز عصر کی ادائیگی کے بعد کلمہ طیبہ کا ورد کرتے

نظام مصطفٰے کے نعرے لگاتے مسجد سے باہر آ گئے جلوس جب سنہری مسجد کے عقب
میں مسجد ملک ایاز کے قریب پہنچا تو پولیس اور ایف ایس ایف کے دستوں نے بغیر
کسی پیشگی وارننگ کے شرکاء جلوس پر بیدردی سے لاٹھی چارج شروع کر دیا حتیٰ
کہ وہ حضرات جو اپنی گرفتاریاں پیش کر رہے تھے وہ بھی اس تشدد سے محفوظ نہ رہ سکے
تمام راستے مسدود تھے اور بے محابہ لاٹھی چارج جاری تھا، آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی
تھیں میں نے پانی والا تالاب کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو ادھر بھی پولیس مورچہ سنبھالے
بیٹھی تھی۔ یہاں میرے جسم پر بھی ضربیں آئیں، اسی عالم میں سوہا بازار میں داخلہ کی کوشش
کی تو میرے گھٹنے پر شدید لاٹھی لگی اور خون بہنے لگا۔ زخمی حالت میں لوہاری آیا اور ایک
جراح سے مرہم پٹی کرائی، زخم کی شدت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ
تقریباً دو ہفتے تک نماز میں قعدہ نہ کر سکا۔

۳۱ر مارچ ۱۹۷۷ء بعد نماز ظہر نظام مصطفٰے کے نفاذ کے لیے علماء کرام نے جلوس
نکالنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے لوگ حیران تھے کہ علماء جلوس نکال رہے ہیں
پیپلز پارٹی کے چیلے چانٹے مذاقاً کہہ رہے تھے کہ حلوہ کھانے والے مولوی کیا خون
دے سکتے ہیں، یہ محض ڈرامہ ہوگا مگر چشم فلک نے دیکھا کہ اس تحریک کو علماء کرام کے
جوش و جذبہ، ایثار و قربانی اور خون نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ الغرض اسباق سے
فارغ ہو کر جامعہ نظامیہ کے گیارہ مدرسین اور سینکڑوں طلباء کرام کا ایک پُر وقار جلوس
جامعہ نظامیہ سے شروع ہوا اور مسلم مسجد پہنچا۔ نماز ظہر کے بعد مقررین علماء کرام نے نظام مصطفٰے
پر روشنی ڈالی، اور اس کے بعد ایک عظیم الشان جلوس کی ترتیب شروع ہوئی اور قواعد و
ضوابط کے مطابق دو دو عالم ٹولیوں کی صورت میں سڑک پر آئے تو انارکلی چوک میں
پولیس نے راستہ روک لیا۔ بڑی کوشش کی گئی مگر پولیس نے جلوس کو راستہ نہ دیا۔ قائدین
جلوس نے اعلان کیا کہ نماز عصر سڑک پر ادا کی جائے گی اور ہر صورت میں جلوس یہاں
سے گزرے گا ابھی صفیں درست ہی کی تھیں کہ پولیس نے لاٹھیوں کا وحشیانہ استعمال
شروع کر دیا متعدد علماء کرام زخمی ہو گئے لوگ تیزی سے مسلم مسجد کی طرف بھاگے اور

دیکھتے ہی دیکھتے مسجد بھر گئی جہاں نماز عصر ادا کی گئی اور طے پایا کہ جلوس شروع کیا جائے
اسی اثناء میں پولیس نے آنسو گیس کے شیل پھینکنا شروع کر دیئے۔ اس زہریلی گیس کے
لاتعداد گولے مسجد میں گرتے رہے۔ لوگ زخمی ہو کر تڑپنے لگے اکثر بے ہوش ہو گئے
پولیس اور ایف ایس ایف جوتوں سمیت مسجد میں آ گھسی اور علماء کرام، ضعیف و ناتواں
بزرگوں کی داڑھیوں کو نوچا اور ننگے جسم فرش پر گھسیٹا، قرآن کریم کی بے حرمتی کی۔ کمسن
بچوں پر تشدد کیا اور بالائی منزل سے اٹھا اٹھا کر نیچے پھینکتے رہے مسجد کی صفیں اور
فرش خون سے تر اور پانی کا تالاب سرخ ہو گیا اور بیسیوں کو قیدی بنا لیا گیا یہ قیامت کا
منظر تھا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا مختصر یہ ہے کہ علماء کرام نے تن من دھن
کی بازی لگا دی اور بھٹو شاہی کے تشدد کا خم ٹھونک کر مقابلہ کیا ملک بھر میں اس سانحہ
کے ظہور پذیر ہوتے ہی تحریک ایک نئے دور میں شامل ہو گئی ملک اور بیرون ملک
پاکستانی باشندوں نے شدید نفرت کا اظہار کیا اور سخت مذمت کی۔ نام نہاد پنجاب
اسمبلی کے پہلے اجلاس کے انعقاد کے لیے دھاندلیوں کے سبب منتخب ارکان
کو ۹ر اپریل ۱۹۷۷ء کی تاریخ دی گئی۔ اور ادھر مرکزی قائدین پاکستان قومی اتحاد نے اعلان
کر دیا کہ اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائے تحریک نظام مصطفٰے کے فدائی پوری طرح مستعد تھے
ادھر بھٹو صاحب اپنی پوری قوت کو میدان میں جھونک رہا تھا۔ ایف ایس ایف، فیڈرل
سیکورٹی فورس، پولیس اور غنڈوں کے علاوہ طوائفوں کی بھی خدمات حاصل کر چکا تھا
ادھر قومی اتحاد کی اپیل پر، علماء، وکلاء، طلباء، محنت کش تنظیمیں حتیٰ کہ خواتین سر دھڑ
کی بازی لگانے کے لیے تیار تھیں چنانچہ ۹ر اپریل ۱۹۷۷ء کو میں اپنے متعدد ساتھیوں
کے ساتھ نسبت روڈ پر واقع مسجد نور میں علماء کرام کے جلوس میں پہنچا، جلوس کا مسجد
سے برآمد ہونا تھا کہ آنسو گیس چھوڑ دی گئی اور جلوس کو تشدد کے ذریعے دو حصوں میں
تقسیم کر دیا گیا، جلوس کا وہ حصہ جس میں بندہ بھی شامل تھا آگے بڑھتا ہوا بیڈن روڈ
پہنچ گیا وہاں سے مال روڈ کی طرف نکلنے کی کوشش کی گئی مگر بھٹو شاہی کے درندے
رکاوٹ بن گئے یہاں مظاہرین نے باقاعدہ ایف ایس ایف اور پولیس کا ڈٹ کر مقابلہ

شروع کر دیا۔ آنسو گیس کے بے تحاشہ استعمال کے باوجود لوگ ڈٹے ہوئے تھے جب
پولیس کو مقابلہ کی بھی تاب نہ رہی تو گولیوں کی بوچھاڑ کر دی بے شمار افراد زخمی ہو کر گر پڑے
جن کو ہم نے میو ہسپتال پہنچانے کا فرض ادا کیا۔ یہ سلسلہ شام تک بدستور جاری رہا۔ ظلم و بربریت کی
انتہا ہو گئی اس وحشی انسان نے ہوس اقتدار کی خاطر نہ جانے اس روز کتنے گھروں کے چراغ
گل کرا دیئے کتنے بچے یتیم ہوئے کتنی خواتین کا سہاگ لٹ گیا کتنی مائیں اپنے فرزندوں
کی راہ تکتی رہ گئیں، کتنے باپ بے سہارا ہو گئے اور کتنے سورج غروب ہو گئے۔ مگر
ظالم کا ہر وار پہلے سے تیز تھا۔

حضرت مولانا حافظ محمد عبدالستار صاحب نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے ارشاد
فرمایا جب قومی اتحاد پاکستان کے قائد جناب پیر صاحب پگارا شریف نے تحریک نظام
مصطفےٰ کے شہداء کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے یوم شہداء منانے کی اپیل کی وہ
مئی ۱۹۷۷ء جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ کرفیو کے وقفہ کا ٹائم ڈیڑھ سے ساڑھے تین
بجے تک تھا۔ میں نے جامع مسجد نیلا گنبد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا ارادہ کیا اور ادھر چل
پڑا۔ انار کلی چوک میں عاشقانِ مصطفےٰ کا ہجوم فوج اور ایف ایس ایف کے دستوں سے
جمعہ ادا کرنے کے لئے کہہ رہا تھا مگر فوجی نوجوان جواب دیتے ہمیں اوپر سے حکم ہے کہ
اس مسجد تک کسی بھی مسلمان کو جانے نہ دیا جائے۔ جاؤ کہیں دوسری مسجد میں جمعہ ادا کرو
اتنے میں مسجد سے اذان ثانی کی آواز بلند ہوئی لوگ جذبات میں آ گئے اور پکار اٹھے
ہمیں نماز پڑھنے دو ورنہ گولی مار دو اگر تمہیں افسرانِ بالا کا حکم ہے تو ہم احکم الحاکمین کے
حکم کے پابند ہیں اس پر فوج نے راستہ دے دیا۔ اور لوگ مسجد میں پہنچ گئے نماز
باجماعت ادا کی گئی اور مسجد نعرۂ تکبیر و رسالت سے گونج اٹھی۔ نظامِ مصطفےٰ کے شیدائی
نعرے لگا رہے تھے کہ ہمیں مارشل لاء کی کوئی پرواہ نہیں۔ اسی جذبہ صادقہ سے سرشار
جب سڑک پر آئے تو فوجی موجود تھے ان کے سامنے لوگوں نے کرتے اتار کر سینوں
کو ننگا کر دیا اور ان کے قریب جا کر نعرے لگانے شروع کئے، پاکستان کا مطلب کیا
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نظامِ مصطفےٰ زندہ باد اس پر متعین دستوں

نے بغیر کسی کارروائی کے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور جلوس میو ہسپتال کی طرف نکل گیا وہاں سے
واپس انار کلی پلٹا۔ اس وقت تقریباً دس ہزار سے زائد شرکاء جلوس تھے جب جلوس
لوہاری چوک کے قریب پہنچا تو فوجی نوجوانوں نے جلوس کو آگے بڑھنے سے روک
دیا اور وارننگ دی کہ اگر کسی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا
دیا جائے گا اس پر چند افراد جذبات کے عالم میں کرتے اتار کر سروں پر باندھتے ہوئے
آگے بڑھنے لگے جن میں میں (حافظ صاحب) بھی شامل تھا۔ فوج نے جلوس کو روکنے
اور منتشر کرنے کی خاطر سیٹیاں بجانی شروع کیں ہاتھ کے اشاروں سے ادھر ادھر بھاگ
جانے کو کہا کچھ لوگ پیچھے رہ گئے مگر میں چند لوگوں کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ آخر فوج
نے زمین پر ایک لکیر کھینچی اور وارننگ دی کہ اس سے آگے بڑھنے پر گولی چلا دی جائے
گی مگر ہم اس جذبہ کی عملی تصویر بنے ہوئے تھے اور زبانِ حال سے پکار رہے تھے۔ ؎

یہ سر کٹ کر سرِ پائے محمدؐ لوٹتا جائے
اسے گر موت کہتے ہیں تو ایسی موت آ جائے

ہم لکیر کو کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے کراس کر گئے پیچھے کھڑے جلوس نے بھی
آگے بڑھنا شروع کر دیا فوجیوں نے ایک اور لکیر لگائی ہم اسے بھی پار کر گئے پھر تیسری
کھینچی گئی اس کو عبور کیا جا رہا تھا کہ فوجیوں نے بندوقیں سنبھال لیں اور فائر کھول دیا۔ ہم
نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو حافظ آفتاب احمد کے جسم سے گولی پار ہو چکی تھی وہ
لڑکھڑا کر قبلہ رو گرا اور جام شہادت نوش کر گیا میری نگاہ ابھی حافظ آفتاب احمد
شہید پر پڑی تھی کہ حافظ جلال الدین شہادت کا جام نوش کر چکے تھے جو میرے پیچھے چند
گز کے فاصلہ پر موجود تھے میرے سر کے اوپر سے بیسیوں گولیاں گزر گئیں، بے شمار افراد
زخمی ہو کر گرتے رہے لوگوں نے انہیں میو ہسپتال پہنچانا شروع کر دیا۔ سامنے حافظ
جلال الدین کی پیشانی میں گولی لگی تھی اس کی لاش خون سے لت پت پڑی تھی۔ خوف و
ہراس کے مارے لوگ آگے نہیں بڑھ رہے تھے میں نے جرأت کی اور اپنی جان
ہتھیلی پر رکھ کر قاری سراج احمد کی لاش کے پاس گیا سر کو سیدھا کیا جو پہلے ہی قبلہ

تھا اتنے میں ایک اور صاحب آگے آئے انہوں نے اس شہید کے بازوؤں کو تھاما میں نے پاؤں کو سنبھالا اور کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے لاش کو اٹھا لاتے ابھی چند گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ دکان پر کھڑے چند افراد نے ایک قدآدم لوبورڈ اتار اور اس پہ لاش کو رکھ کر میو ہسپتال پہنچا گیا۔ قیامت تھی جو اس روز ہم پر گزری۔

مولٰنا غلام فرید ہزاروی

تحریک نظام مصطفےٰ کے ایک اور سرگرم کارکن مولانا غلام فرید صاحب ہزاروی بھی ہیں جو اہل سنت وجماعت کی قدیم مرکزی درسگاہ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سے سند فراغت رکھتے ہیں۔ امام اہل سنت مولانا سید ابوالبرکات سے دورۂ حدیث شریف پڑھا اور جامعہ نظامیہ رضویہ کے قیام سے ہی شعبہ امور تعلقات عامہ سے منسلک ہو گئے بیس سال کے اس طویل عرصہ سے آپ جامعہ نظامیہ رضویہ کی خدمت میں مصروف ہیں ایک امین اور دیانت دار خازن کی حیثیت سے آپ اچھی طرح متعارف ہیں حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کو آپ پر بھرپور اعتماد ہے۔

مولانا غلام فرید صاحب ہزاروی موضع سری بلولیاں تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے باشندے ہیں اس وقت آپ کی عمر تقریباً چالیس سال ہے آپ نے جامعہ کی تعمیر و ترقی اور جامعہ پر پڑنے والی افتاد میں برابر حصہ لیا تحریک ختم نبوت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ میں لاہور میں نکلنے والے ہر مرکزی جلوس کی زینت بنے خصوصاً ۳۱ مارچ/ ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کے تاریخی جلوسوں میں بڑی جرأت دکھاتے ہوئے پولیس، ایف ایس ایف اور فوج کی وحشیانہ فائرنگ سے زخمی ہوئے اور ان کے جسم پر پانچ کاری زخم آئے ایک گولی پنڈلی میں پیوست ہو کر رہ گئی کئی شرے ران سے نکالے گئے پیٹ پر بھی زخم آئے زخمیوں کے ساتھ آپ کو میو ہسپتال لے جایا گیا وہاں ایک دن رات رہنے کے بعد ڈاکٹر ہمایوں کے پاس منتقل ہوئے اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے انتہائی ہمدردی سے گیارہ روز تک علاج جاری رکھا، باوجود ظاہری صحت یابی

کے ابھی تک گولیوں کے نشان باقی ہیں اور چلتے ہوئے تکلیف محسوس فرماتے ہیں۔

مولانا محمد رشید نقشبندی

مولانا محمد رشید نقشبندی جامعہ کے جلیل القدر مدرس اور بہترین مقرر ہیں تمام طلباء کرام کو روزانہ صبح دعا کے بعد اسباق شروع ہونے سے قبل خصوصی ہدایات دینے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ مولانا ہر دلعزیز اور بڑے خوش اخلاق آپ بمقام ڈیلی تحصیل نکیال ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں درس نظامی کی تعلیم بندیال شریف میں حاصل کی تین برس سے جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس وقت آپ کی عمر ستائیس سال کے لگ بھگ ہے تحریک نظام مصطفےٰ میں ابتدا سے انتہا تک شامل رہے خصوصاً ۹ اپریل کو چھیمبر کراس اسمبلی تک جن مجاہدین کو سخت مقابلہ کے بعد پہنچنے کی ہمت ہوئی ان میں آپ سرفہرست ہیں۔

قاری محمد نذیر قادری

مولانا قاری حافظ محمد نذیر صاحب قادری مدرس شعبہ تجوید القرآن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور بمقام گنگالوالہ ضلع راولپنڈی کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے دارالعلوم اعجاز القرآن ڈھوک رتہ راولپنڈی سے قرآن پاک حفظ کیا جامعہ نظامیہ رضویہ سے تجوید و قرأت کی سند حاصل کرنے کے بعد درس نظامی میں داخلہ لیا اور چار سال تک علوم و فنون کی تحصیل میں مشغول رہنے کے بعد جامعہ میں ہی تجوید کی تدریس پر مامور ہوئے ساتھ ہی ساتھ انارکلی ایبک روڈ پر واقع مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے آرہے ہیں۔ آپ ہنس مکھ خوش اطوار معاملہ فہم اور خوش گفتار ہیں۔ اپنے فن میں کافی دسترس رکھتے ہیں طلباء آپ سے خاصے مانوس ہیں۔ افعال و اعمال سے عشق مصطفےٰ مترشح ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے تحریک نظام مصطفےٰ میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر کردار ادا کیا جب ۳۱ مارچ

کو مسلم مسجد کا سانحہ رونما ہوا تو آپ بھی اس کی زد میں بُری طرح آ گئے آپ نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ۳۱ مارچ کو علماء کرام پر قیامت صغریٰ گزر گئی میں بچشم خود دیکھ رہا تھا کہ ایک ایک آدمی پر دس دس سیکورٹی فورس کے سپاہی جھپٹے ہوئے ہیں اور مسجد خون سے لالہ زار بن چکی تھی۔ مسجد کے ممبر شریف سے غنڈوں نے مجھ پر حملہ کیا اور قابل رحم حالت میں مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچا کر ایک سنگدل وردی پوش نے پوری طاقت سے لاٹھی میرے سر پر دے ماری جس سے میرا سر پھٹ گیا۔ اور منہ کے بل سیڑھیوں پر گرا۔ ذرا سنبھلنے نہ پایا تھا کہ پھر شاہی غنڈوں نے بے شمار لاٹھیوں سے ادھ موا کر دیا۔ سر کی کاری ضرب کے علاوہ میرے جسم پر پینتیس ۳۵ کے قریب اور زخم آ گئے تا تنے میں مجھے دو سپاہیوں نے پکڑا اور کشمیری ٹی سٹال کے سامنے زمین پر لٹا دیا۔ جہاں زخموں میں اور اضافہ ہوا۔ بے ہوشی کی حالت میں مجھے ایک پانی پلانے والے نے پانی دیا جس کے باعث قدرے ہوش میں آیا۔ اسی دوران میں ایک پولیس مین نے اپنا پاؤں اپنے بھاری بھر کم بوٹوں سمیت پورے زور سے میری گردن پر رکھ کر دبایا تو قریب ہی کھڑے روزنامہ دن ق کے فوٹو گرافر جناب اختر علی صاحب نے اسے للکارا اس غائبی امداد نے مجھے زندگی دی ورنہ اس دن کے شہداء میں اپنا نام لکھوا چکا ہوتا۔ القصہ اس ظالم سپاہی کی دست برد سے رہا ہو کر ہسپتال روڈ کی طرف آیا۔ تو میرے ایک عزیز مہتاب علی صاحب قریشی نے گاڑی میں بٹھایا اور میو ہسپتال میں داخل کرا دیا۔

وہاں سے جامعہ نظامیہ رضویہ کے عارضی ہسپتال میں علاج ہوتا رہا۔ مسلم مسجد کے ہنگامہ کارزار میں میری قیمتی گھڑی بھی غنڈوں نے اتار لی اسی طرح نقدی بھی ضائع ہوئی مگر ایک دردمند انسان کو جب علم ہوا تو اس نے اپنی جدید قسم کی گھڑی بصد اصرار میرے ہاتھ میں باندھ دی اور اس نے واپس لینے سے بالکل انکار کر دیا۔ حالانکہ ہمارا تو ایمان ہے کہ ۔ ؎

محمد ہے متاعِ عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان و مال، اولاد سے پیارا

محمد کی محبت دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

تحریک نظام مصطفےٰ میں یہی جذبہ کارفرما تھا اور انشاء اللہ العزیز تادمِ زیست قائم رہے گا۔

مولانا سیف الرحمٰن چترالی

مولانا سیف الرحمٰن صاحب چترالی کے مجاہدانہ کارناموں کی داستان کے لئے دفتر درکار ہیں۔ موصوف ۳۵ سالہ مضبوط جسم کے مجاہد ہیں پندرہ سال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کی خدمت میں مصروف ہیں آپ کے اساتذہ کرام میں علامہ غلام رسول صاحب مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مولانا اللہ بخش صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کی تربیت نے ان کے جوہر نمایاں کئے۔ بزم رضا جامعہ نظامیہ رضویہ کے مسلسل دس سال تک صدر رہے جب کہ مولانا علامہ محمد صدیق صاحب ہزاروی سیکرٹری کی حیثیت سے کام انجام دیتے تھے آپ ملکی جذبہ سے سرشار ہیں۔ ملی اور سیاسی امور میں خاصی دلچسپی رکھتے ہیں اس لئے ملک و ملت کی سالمیت و آزادی کے تحفظ کے لئے جو بھی تحریک اٹھی اس میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا ۱۹۶۲ء میں شورش کاشمیری کے فتنہ کے خلاف سرگرم عمل رہے جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ ایسے خلاف شرع ضوابط کا اعلان کیا اور اس کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو علماء کرام کا تاریخی جلوس جامعہ سے نکالا گیا مولانا سیف الرحمٰن صاحب چترالی نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ اسی طرح جب محکمہ اوقاف کے ایک نام نہاد مسعود نے اردو میں نماز پڑھنے کا شوشہ چھوڑا تو اس کے خلاف سب سے پہلے جامعہ نظامیہ رضویہ نے آواز اٹھائی اور مولانا الموصوف نے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ارباب اوقاف کو للکارا کہ اس نا مسعود کو فوری طور پر برطرف کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔

جب جمعیۃ العلماء پاکستان میں مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی علیہ الرحمۃ اور ان کے ساتھیوں نے نئی روح پھونکی تو اس وقت مولانا کی دلچسپی مثالی تھی۔

جب ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کا اجراء ہوا تو مولانا سیف الرحمٰن چترالی پیش پیش تھے اور علاقہ لوہاری منڈی میں خصوصیت سے اس تحریک کو آگے بڑھایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

تحریک نظام مصطفےٰ کی ابتداء ہوئی تو اس مرد غازی کی رگ حمیت بھڑکی اور ظلم و بربریت کے سامنے چٹان بن کر ڈٹ گئے۔ علماء کرام کے جلوسوں میں مقدمۃ الجیش کی حیثیت اگر جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلباء کرام کو حاصل تھی تو اس ہراول دستہ کی کمان مولانا سیف الرحمٰن کے ہاتھ تھی۔ مسلم مسجد جو جامعہ نظامیہ کے کردار کا نقطۂ عروج ہے اس میں آپ بھی اپنے ساتھیوں سمیت شدید زخمی ہوئے مرہم پٹی ہوئی اور زخمی حالت میں شیر کی طرح اٹھے اور ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو اسمبلی کے گھیراؤ کے لیے چل پڑے فیڈرل سکیورٹی فورس نے جلوس کو گھیرے میں لے کر وحشیانہ کارروائی شروع کر رکھی تھی کہ آپ ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے سیاہ جھنڈیوں اور بازوؤں پر بندھی ہوئی سیاہ پٹیوں کے ساتھ پورے جوش سے نعرے لگاتے ہوئے دیوانہ وار اسمبلی کی طرف بڑھنے لگے۔ پولیس نے راستہ روکا مولانا قاری عبدالحمید، مولانا مظفر اقبال، مولانا سلیم اللہ صاحب، قاری حق نواز صاحب اور دیگر علماء کرام اور طلباء پر لاٹھی چارج کے ساتھ ساتھ آنسو گیس شیل آنے شروع ہو گئے۔ اب مولانا سیف الرحمٰن نے مورچہ قائم کیا اور پولیس سے ٹکر لینے کی ٹھان لی۔ دو گھنٹے تک تصادم جاری رہا۔ آپ کا تمام بدن زخموں سے چور ہو چکا تھا بے ہوشی کے عالم میں گر پڑے عورتوں کی چیخ و پکار شروع ہوئی کہ مولانا صاحب ہلاک ہو گئے۔ چند عورتیں آگے بڑھیں اور روئی گرم کر کے مجھے سکون پہنچانے کی کوشش میں مصروف ہو گئیں۔ اسی اثناء میں دو عالم آگے بڑھے اور مجھے تکیہ کے سہارے بٹھایا گیا۔ میری پسلی چڑھ چکی تھی۔ دائیں آنکھ کی بصارت کم ہو گئی اور اسی حالت میں مجھے میو ہسپتال داخل کرایا گیا۔ وہاں زخمیوں کی تعداد میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا اس لئے مجھے چھ گھنٹے

کے بعد میو ہسپتال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہنگامی ہسپتال میں منتقل ہونا پڑا۔ مولانا سیف الرحمٰن سے مزید معلومات کے لیے جب میں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا لکشمی چوک میں جب سکیورٹی فورس کی گاڑیوں میں علماء کرام کو بند کر کے لے جانے لگے تو میں گاڑی کے آگے لیٹ گیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی اور مجاہد میری تقلید میں سڑک پر لیٹ گئے حتیٰ کہ علماء کرام نے بصد منت و سماجت ہمیں اٹھنے کی اپیل کی۔ اگر علماء کرام کا حکم نہ ہوتا تو اس روز مجھے جام شہادت نصیب ہوتا۔ تاہم آج بھی میری آرزو ہے کہ پاکستان میں نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے اگر مجھے جان کا نذرانہ بھی دینا پڑے تو بہت ہی سستا سودا ہے۔

مولانا محمد جعفر ضیائی

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور سے سند فراغت رکھتے ہیں مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے ایک رکن ہیں۔ غلہ منڈی شاہدرہ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، علاقہ شاہدرہ میں آپ اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت میں بڑی مستعدی سے معروف ہیں سیاسی طور پر جمعیۃ العلماء پاکستان سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں حج کعبہ اور زیارت گنبد خضرا کی سعادت حاصل کر چکے ہیں حضرت فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی مدظلہ سے قرابت رکھتے ہیں۔ مولانا ضیائی صاحب نے تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفےٰ میں بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں تحریک نظام مصطفےٰ میں رضاکارانہ طور پر اپنی گرفتاری پیش کی اور مسلسل پندرہ روز تک کیمپ جیل اچھرہ میں محبوس رہے راقم السطور نے دو تین دفعہ جیل پہنچ کر احوال و کوائف دریافت کئے تو بڑے وقار اور پرجوش انداز میں گویا ہوتے یہ تو جیل ہے تحریک نظام مصطفےٰ کے لئے اسیر ہیں۔ اسیری تو کچھ بھی نہیں جان کی بازی لگانے کا ارادہ ہے۔ شہداء، غازیان و اسیران تحریک نظام مصطفےٰ کی قربانیاں رنگ لائیں اور جلد از جلد سرزمین پاکستان نظام مصطفےٰ کے عملاً نفاذ کی دولت سے شاد کام ہو۔

مولانا حافظ عبدالرشید شاہ

حافظ عبدالرشید شاہ صاحب ۱۱؍اکتوبر ۱۹۶۶ء کو علم تجوید کی تحصیل کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخل ہوئے آپ قصور کے قریب ایک گاؤں چاہ روڈ سنگھ کے رہنے والے ہیں جامعہ حنفیہ قصور میں قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد جامعہ نظامیہ میں آئے، یہاں انتہائی ذوق سے علم تجوید کی تعلیم میں منہمک ہیں اساتذہ کرام کی بہتر تربیت کے معترف ہیں حافظ صاحب سے جب راقم الحروف نے تحریک نظام مصطفےٰ میں حصہ لینے کے بارے دریافت کیا تو موصوف نے بڑی وضاحت سے اپنی کارکردگی کی روئداد سناتے ہوئے کہا کہ میں نے ۱۴؍مارچ ۱۹۷۷ء کو تحریک کے جاری ہوتے ہی حصہ لینا شروع کر دیا تھا مگر خصوصیت سے ۱۸؍مارچ ۱۹۷۷ء بروز جمعۃ المبارک کو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر نکلنے والے جلوس میں نمایاں کردار ادا کیا جب قائدین جلوس اپنی گرفتاریاں پیش کرنے والے تھے پولیس کا ایک بھاری دستہ جلوس پر پل پڑا اور بے تحاشا لاٹھیاں برسانی شروع کر دیں، نوجوان لاٹھیوں کی برسات میں آگے ہی بڑھتے رہے گویا کہ ان پر لاٹھیاں نہیں پھول برس رہے تھے عشق مصطفےٰ سے سرشار ان جیالوں کی فداکاری نے مجھے نیا جذبہ مرحمت کیا پھر کیا تھا میں نے بھی قدم بڑھاتے زبان نعرۂ تکبیر و رسالت سے تر تھی کہ اچانک مجھے پولیس نے اپنی گرفت میں لے کر لاٹھیوں کی مار دی جب آزاد ہوا تو نئے عزم کے ساتھ جلوس میں پہنچ گیا۔

تحریک میں جوں جوں تیزی آتی گئی میرے جنون کو بھی ولولہ تازہ بخشتی گئی لاہور میں ہر روز ظہر کے بعد نکلنے والے جلوس میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوتی رہی خصوصاً ۳۱؍مارچ ۱۹۷۷ء کا دن لاہور کی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش اہمیت کا حامل ہے جس روز تحریک نظام مصطفےٰ کے حقیقی محرک علماء کرام کا مسلم مسجد سے جلوس نکلنے والا تھا اور رضاکارانہ طور پر علماء کرام اپنی گرفتاریاں پیش کرنے والے تھے عوام

جو علماء کرام اور حفاظ کرام کو محض گوشہ نشین یا تن پروری کے طعنے دیا کرتے تھے وہ علماء کرام کی قربانیوں کا منظر دیکھنے امڈ پڑے تھے، اس روز لاہور کی پولیس کی امداد کے لئے نہ صرف سیکورٹی فورس کے مخصوص دستے آچکے تھے بلکہ علاقہ بھر کے غنڈوں کی بھی اچھی خاصی کھیپ پہنچ چکی تھی، مسلم مسجد کے قرب و جوار کے مکان علماء کے خلاف مورچے بن چکے تھے اس روز میں نے جان کی بازی لگا دینے کی نیت کر رکھی تھی نماز ظہر مسلم مسجد میں ادا کی اور علماء کرام کی پرجوش تقاریر سے اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ مستعد پایا جب قواعد و ضوابط اور دائرہ قانون کی روشنی میں جلوس شروع ہوا تو پولیس اور سیکورٹی فورس نے راستہ روکا علماء کرام اور شیدائیان اسلام نے ہرچہ بادا باد کی بجائے تحفظ ما تقدم کے طور پر پولیس دستوں سے گفتگو کر کے رستہ لینا مناسب سمجھا حضرت مولانا احمد علی صاحب قصوری جن کی سیاسی مذہبی، ملکی اور ملی خدمات سے پاکستان کا بچہ بچہ متعارف ہے جن کا تحریک نظام مصطفےٰ میں مرکزی قائدین کے شانہ بشانہ چلنا اظہر من الشمس ہے آپ شاد باغ لاہور میں رہائش پذیر ہیں اپنی اور والدین کی معاشی ضروریات کے تحفظ کے لئے ایک بڑی وسیع دکان کے مالک ہیں۔ اور خود تجارت کرتے ہیں مگر تحریک نظام مصطفےٰ کے اس بے باک مجاہد کی دکان پر پیپلز پارٹی کے غنڈوں نے حملہ کیا۔ لاکھوں کا سامان لوٹ لیا اور دکان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی مگر اس شیر دل رہنما نے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے سامان تو کیا جان تک کا نذرانہ دینے کی بھی آرزو کر رکھی ہے۔ الغرض مولانا احمد علی صاحب قصوری نے پولیس دستہ سے دوسرے راستہ کی طرف جلوس کو گزر جانے کے لئے کہا تو اس نے قطعاً انکار کر دیا، قائدین نے شرکاء جلوس کو حکم دیا کہ مشتعل ہونے کی بجائے پرامن رہیے اور بعد نماز عصر جلوس روانہ ہوگا۔ سڑک پر ہی صفیں درست کی جانے لگیں ایک رضاکار آگے بڑھا اور اذان شروع کر دی نماز عصر کی ادائیگی کے ساتھ ہی فضا نعرہ ہائے تکبیر و رسالت سے گونج اٹھی۔ ادھر بھٹو شاہی کے غلام ایف ایس ایف اور پولیس کے دستے بغیر کسی وارننگ کے آنسو گیس کے شیل پھینکنے لگے فضا دھوئیں کے بادلوں سے بھر گئی لوگ مسلم مسجد میں پناہ لینے اندر داخل ہوئے تو غنڈوں نے مسجد کی عزت و حرمت

کا لحاظ کئے بغیر شیلوں کی بارش جاری رکھی۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ جو گولے صحن مسجد میں گر رہے ہیں انہیں پھٹنے سے پہلے پہلے پکڑ کر پولیس والوں کو انہی سے نشانہ نہ بنایا جائے چنانچہ میں نے فوری طور پر اس فارمولا پر عمل شروع کر دیا چنانچہ میں نے کم و بیش ایک درجن کے قریب آنسو گیس شیل پھٹنے سے قبل پکڑ پکڑ کر جوابی کاروائی شروع کر دی اس مقابلہ میں زخموں پر زخم آتے رہے مگر میں عشق مصطفےٰ کے جذبہ سے سرشار اس وقت تک اس منصوبہ پر عمل کرتا رہا جب تک میری استطاعت رہی آخر چار پولیس مین میری طرف بڑھے اور مجھے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ میری آنکھ پر اتنی شدید ضرب پڑی کہ مجھے اس وقت آنکھ کھولنا مشکل تھا زخموں کی ٹیسوں سے میں بے ہوش ہو گیا جب مجھے ہوش آیا تو تھانہ لوہاری منڈی میں قید تھا، گیارہ بجے شب تھانہ کوتوالی بھیج دیا گیا اور وہاں پر ہمارے اڈریس نوٹ کئے گئے پھر رات ایک بجے حوالات پہنچ چکا تھا۔

حوالات میں بند ہونے کے باوجود میرے جذبات میں کمی نہ آئی مگر یہاں جو سلوک روا رکھا گیا وہ بھی اس دور کے عجائبات میں سے ہے۔ نہ کھانا، نہ پانی، نہ مرہم پٹی، بس موت کا انتظار تھا کہ دوسرے دن تین بجے کے قریب مجھے اور میرے ساتھیوں کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مجسٹریٹ صاحب نے سوال کیا تم جلوس میں کیوں آگئے؟ میں نے کہا نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے جس کی خاطر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ مجسٹریٹ میرے الفاظ سنتے ہی میری طرف تعجب سے دیکھنے لگا۔ اور تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی نظریں جھکا دیں گویا وہ زبانِ حال سے اپنی مجبوری کا عذر پیش کر رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے بھٹو شاہی فرمان کے مطابق مندرجہ ذیل دفعات کے تحت مجھ پر بیک وقت چار مقدمے قائم کئے۔

دفعہ ۳۰۷، ۳۵۲، ۲۸۲ اور ۱۴۸ پھر وہاں سے مجھے ڈسٹرکٹ جیل کوٹ لکھپت پہنچا دیا گیا اور چوبیس ۲۴ گھنٹے متواتر بھوکا رکھنے کے بعد کچھ کھانے کو ملا۔ سات روز تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور پھر جامعہ نظامیہ رضویہ کے مشفق و مہربان ناظم اعلیٰ کی کوشش سے ضمانت نامہ کے آنے پر رہائی ملی۔

مولانا محمد حنیف کشمیری

مولانا محمد حنیف صاحب متعلم جامعہ نظامیہ رضویہ بمقام کلمان ضلع پونچھ آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں علمِ دین کے شوق نے اہل سنت و جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ پہنچایا اور یہاں کے مدرسین کی تعلیمی و تدریسی خوبیوں سے بہرہ ور ہو رہے ہیں سلم العلوم ہدایہ شریف مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف تک تعلیم حاصل کر چکے ہیں چونکہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں ایک ایسے علاقہ میں واقع ہے جہاں کی صبح و شام ایک جیسی نہیں رہتی اگر جامعہ کے اکناف و اطراف کا سروے کیا جاتے تو پتہ چلے گا کہ اس علاقہ میں جامعہ کا وجود اب تک کیسے برقرار ہے، غنڈہ گردی، عیاشی و فحاشی اور بدمعاشی اس علاقہ کی سوغات ہے جسے بھٹو شاہی نے پاکستان بھر میں تقسیم کرنے کی کوشش کی مگر یہاں پر مثالی ترقی ہوئی بس یوں سمجھئے جامعہ کا یہاں وجود محض اولیاء کرام کا تصرف، نگاہِ مصطفےٰ کا ہر وقت مبذول رہنا اور رحمتِ الٰہی کا برابر نزول۔ ورنہ اس کی حفاظت و صیانت انسان کے بس کی بات نہیں یہ تو ناظم اعلیٰ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کی استقامت اور پر خلوص قربانی کا ثمرہ ہے کہ مصائب و آلام اور ابتلاء و آزمائش کی نازک ترین گھڑیوں میں بھی اس بندۂ خدا نے صبر و ہمت کا دامن تھامے رکھا اور آج اہل سنت کا یہ ادارہ اپنی مرکزیت کا منہ بولتا ثبوت ہے بات طویل ہوتی جا رہی ہے اس لئے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے بھی یہاں کے ماحول سے فداکاری کا جذبہ پایا ہے اس لئے تحریک نظام مصطفےٰ میں آپ نے بھی کھل کر حصہ لیا خصوصاً مسلم مسجد میں علماء کرام کے جلوس کی زینت بنے رہے جب پولیس نے جلوس کو آگے بڑھنے سے روکا اور قائدین جلوس نے سڑک پر ہی نماز کی صفیں درست کرنی شروع کیں تو مولانا محمد حنیف وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے صفوں کو بچھانا شروع کیا اور اپنے ساتھی کو اذان کی ترغیب دلائی۔ ایک مولانا صاحب کو امامت کے لئے کہا مگر شرعی مسئلہ کے باعث خود آگے بڑھے نماز عصر ابھی ادا بھی نہیں کر پائے تھے کہ ایف ایس ایف، پولیس اور غنڈوں نے

حملہ شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مسلم مسجد کے قرب و جوار کے مکان غنڈوں سے بھرے ہوئے تھے ادھر سے اینٹوں کی بارش ہو رہی تھی جلوس کا ایک حصہ ان مکانوں کی طرف بڑھا جب غنڈوں نے اپنے آپ کو نرغے میں دیکھا تو ایک سپاہی سے ایک غنڈے نے رازدارانہ باتیں کیں عورتوں نے سپاہیوں اور غنڈوں کو شربت پلاتے اور پھر آناً فاناً پولیس کے ایک دستے نے ان کی حفاظت شروع کر دی۔ میں مسجد کے صحن میں پولیس کی اندھا دھند آنسو گیس شیل سے زخمی ہو چکا تھا۔ اس قیامت خیز ہنگامہ میں بھی ایک ڈاکٹر صاحب فسٹ ایڈ کا سامان لئے صحن مسجد میں رضاکارانہ طور پر زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول ہو گئے میں نے بھی پٹی کروائی۔ مسلم مسجد میں علماء کرام اور شرکاء جلوس پر وحشیانہ حملوں سے پاکستان لرز اٹھا حقیقت ہے کہ یہ قیامت کا منظر تھا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کے مدرسین و علماء کرام خاص طور پر اس جلوس میں نشانہ بنائے گئے۔ زخمی علماء، طلباء کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ جب زخمی حالت میں ہمیں جامعہ نظامیہ پہنچایا گیا۔ تو جامعہ کی بالائی منزل کا ایک حصہ جو زخمیوں کے لئے مختص کر دیا گیا تھا وہ ایک ہسپتال کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ پاکستان قومی اتحاد کے مرکزی رہنماؤں نے جب جامعہ کی اس بے مثال قربانی کا چرچا سنا تو زخمیوں کی دلجوئی اور عیادت کے لئے آنا شروع ہو گئے مولانا محمد اکبر ساقی، مولانا سلیم اللہ صاحب، مولانا قاری عبدالحمید صاحب، مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی صاحب، جناب ملک وزیر علی صاحب، نوابزادہ محمد نصر اللہ خان، جناب گلزار احمد مظاہری صاحب، مولانا مظفر اقبال صاحب، راجا رشید محمود صاحب، ایم۔ اے، الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کے علاوہ اور کئی سیاسی و مذہبی شخصیات نے آ کر جامعہ نظامیہ رضویہ میں زخمیوں کی عیادت کی البتہ اس علاقہ میں قومی اتحاد کے نمائندے مولانا عبیداللہ انور نے جامعہ آنے کی تکلیف گوارا نہیں کی نہ جانے مسلک آڑے آ رہا ہو مگر وہ یہ سمجھ کر ہی عیادت کی ہوتی تو کچھ فرق نہیں پڑنا تھا۔

مولانا حافظ محمد اعظم

تحریک نظام مصطفےٰ کے ایک پرجوش اور نڈر سپاہی مولانا حافظ محمد اعظم صاحب

بھی ہیں جو بار موسیٰ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں مختلف سنّی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مناظر اسلام مولانا سید یعقوب علی شاہ صاحب خطیب اعظم پھالیہ کے قائم کردہ مدرسہ حفظ القرآن میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں مگر علم تجوید کے شوق نے جامعہ نظامیہ رضویہ پہنچایا مولانا حافظ محمد اعظم صاحب شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی دامت برکاتہم العالیہ سے بیعت کا شرف رکھتے ہیں آپ کو بزرگانِ دین سے والہانہ عقیدت ہے یہی وجہ ہے کہ جب تحریک نظام مصطفےٰ کے شروع کرنے کی اپیل سنی تو فوراً میدان عمل میں نکل کھڑے ہوئے حالانکہ آپ شدید علالت کے باعث اپنے گھر بار موسیٰ میں علاج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ معمولی افاقہ ہوا تھا کہ تحریک چلانے کا اعلان ہو گیا آپ گھر سے جامعہ نظامیہ رضویہ پہنچے اور اپنے ہم مکتب ساتھیوں کے ساتھ جلسے جلوسوں میں جانا شروع کر دیا۔ بیان کرتے ہیں کہ اسی دوران میں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ کی نیلا گنبد میں ایک ولولہ خیز تقریر سے جانفشانی کے جذبہ میں مزید جوش آیا اور سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ۹ر اپریل ۱۹۷۷ء کو لاہور میں بیسیوں جلوسوں کا اعلان ہو چکا تھا علماء کرام کا جلوس نسبت روڈ سے نکلنا تھا جس کی قیادت پیر آف پگارا شریف فرمانے والے تھے ہم اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ وہاں پہنچے پیر آف پگارا شریف کو کراچی میں روک لیا گیا تاہم علماء کرام کا جلوس نسبت روڈ پہنچ چکا تھا اور ادھر پولیس اور ایف ایس ایف کی گاڑیاں گشت کر رہی تھیں پولیس کے بڑے بڑے دستے جلوس کو روکنے کے لیے متعین تھے، علماء کرام کے ساتھ عوام کا بے پناہ ہجوم پرجوش نعرے لگا رہا تھا کہ پولیس دستے ہماری طرف بڑھے۔ اور وارننگ دی کہ فوری طور پر منتشر ہو جاؤ ورنہ گولی چلا دی جائے گی تحریک نظام مصطفےٰ کے سپاہیوں نے بھٹو کے زرخرید غلاموں کو جواب دیا اگر تم بھٹو کے سپاہی ہو تو ہم مصطفےٰ کے غلام ہیں ہمارا ایک ہی جواب ہے۔ ؎

ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

پھر کیا تھا قیامت گزر گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آنسو گیس کا استعمال اور لاٹھی چارج شروع ہو گیا۔ اسی اثنا میں پولیس کی گاڑی پر ایک نوجوان کھڑا ہو کر پکارنے لگا آؤ ہمیں نے گرفتاری پیش کرنی ہے ہم نعرے لگاتے ہوئے گاڑی پر چڑھ گئے پولیس اور عوام میں دست بدست مقابلہ شروع ہو چکا تھا پولیس کی طرف سے لاٹھیوں اور آنسو گیس کا بے تحاشا استعمال تھا تو عوام کی طرف سے پتھروں کا۔ ہماری گاڑی کے اندر پتھر آ رہے تھے کہ اچانک گیس کے متعدد گولے پھٹے اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ آنکھیں بند گیس کا اتنا شدید اثر تھا کہ سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ پولیس نے ہماری گاڑی جس میں ہم گرفتار تھے چلا دی تو علماء کرام میں سے کئی عالم ہماری رہائی کے لئے گاڑی کے آگے لیٹ گئے جن میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے ایک نامور مجاہد عالم مولانا سیف الرحمن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ القصہ ہمیں تھانہ مناواں جلو موڑ پہنچا دیا گیا۔ میرے ساتھ جامعہ نظامیہ رضویہ کے تین اور ساتھی بھی محبوس تھے، علاوہ ازیں اور بہت سے علماء کے ساتھ ہم یہاں بند کر دیئے گئے تھانہ کی چار دیواری نعرہ ہائے تکبیر و رسالت اور نظام مصطفےٰ زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔
تین روز تک یہاں قید رہے اور ہم یہاں اپنے سکون کا حل ذکر مصطفےٰ سے ڈھونڈ نکالا نعت خوانی کی محفل منعقد کی، تقاریر کا سلسلہ شروع کیا اور اس طرح ہم نے وقت پاس کرنے کی طرح ڈال دی کہ ہمیں کیمپ جیل پہنچا دیا گیا۔ یہاں پر بھی اپنا وظیفہ نعت خوانی شروع کر دیا کیمپ جیل پہنچے تو یہاں کا منظر دیدنی تھا جیل اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کر رہی تھی، ہماری ملاقات کے لئے جامعہ کے متعدد طلباء، مولانا حافظ عبد الستار صاحب مدرس جامعہ کے ہمراہ تشریف لائے دلجوئی کی، حوصلہ بڑھانے کی باتیں سناتے رہے آخر پندرہ روز کی قید کے بعد ہمیں ضمانت بند رہا کر لیا گیا۔ رہائی کے بعد بھی جلوس میں شامل ہوئے بغیر مجھے سکون نہیں ملتا تھا۔ اس لئے ہر جلوس میں شمولیت اپنا فرض سمجھتا، بھٹو شاہی مارشل لاء اور کرفیو کی خلاف ورزی بھی معمول رہا کیونکہ ہمارا مشن اتنا مقدس اور ارفع ہے کہ اس کے سامنے کوئی چیز قطعاً وقعت نہیں رکھتی۔ یعنی پاکستان میں مقام مصطفےٰ کا تحفظ اور نظام مصطفےٰ کا نفاذ اور اس اعلیٰ مقصد کے لئے جان تک کا نذرانہ بھی دینا پڑے تو گریز نہیں کیا جائیگا۔

مولوی ظہور احمد

تحریک نظام مصطفےٰ کے ننھے منے سپاہیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اس ننھے مجاہد نے لاہور میں ہر جلوس میں شامل ہونا اپنا معمول بنا لیا۔ نیلا گنبد میں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کے بیان سے جذبہ کو شعور ملا۔ شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی کی داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار پر گرفتاری سے مخمور ہو گئے اور ۳۱ مارچ مسلم مسجد لوہاری میں علماء کرام کی طرف سے نکلنے والے جلوس میں زخمی ہوئے مولوی ظہور احمد کی عمر صرف ۱۳ سال ہے مانگا منڈی کے باشندے اور جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہونہار طالب علم ہیں جب راقم الحروف نے تحریک نظام مصطفےٰ میں شمولیت کی روئیداد ان سے دریافت کی تو کہنے لگے حضرت مفتی صاحب کے فرمان کے پیش نظر مولانا محمد رشید صاحب مدرس جامعہ نے نو عمر طلباء کو روک دیا تھا کہ بچوں کو جلوسوں میں قطعاً نہ جانا چاہیئے مگر میرے دل میں آئی کہ جنگ بدر میں تو ننھے مجاہد معوذ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بصد منت و سماجت حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اجازت لے کر شمولیت فرمائی تھی اور ابوجہل کو اپنی ننھی منی تلواروں سے نشانہ بنا کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کیا تھا گو میں عمر میں چھوٹا ہوں مگر حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت پر بھی تو عمل پیرا ہوا جا سکتا ہے چنانچہ اس سنت پر عمل کر گزرا۔ ادھر مسجد میں پہنچنا دشوار تھا کیونکہ پولیس اور سیکورٹی فورس کے دستے علماء کرام اور دینی مدارس کے طلباء کو پہچان پہچان کر واپس کر رہے تھے میرے سر پر ٹوپی تھی میں نے خیال کیا کہ اگر میری یہ کپڑے کی ٹوپی سر پر رہی تو مجھے واپس کر دیا جائے گا لہٰذا ٹوپی کو جیب میں ڈالا اور میدان کارزار میں کود پڑا۔ پولیس کے دستے اپنی کارروائی کر رہے تھے اور علماء کرام پر ظلم و تشدد کی ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی تھی، میں تشدد کا نشانہ بنا اور زخمی ہو کر گر پڑا۔ بعد میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہنگامی ہسپتال میں زیر علاج رہا اور آج بھی جذبہ بیدار ہے اگر پاکستان میں مقام مصطفےٰ کے تحفظ اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے پھر ایسی کوئی تحریک چلی تو ان شاء اللہ العزیز اس کو اپنے خون سے آگے بڑھایا جائیگا۔

حافظ عاشق حسین شاہ

حافظ صاحب صرف سولہ سال کی عمر رکھتے ہیں پنجھر کلاں تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم سے جامعہ نظامیہ رضویہ میں علم التجوید کی تحصیل کے لئے دو سال قبل داخلہ لیا۔ تحریک نظام مصطفٰے میں آپ کا کردار حیران کن حد تک مثالی ہے یوں تو آپ نے متعدد جلوسوں میں شرکت فرمائی مگر مسلم مسجد کا جلوس ان کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں فیڈرل سیکورٹی فورس اور پولیس کے ظالم ترین دستے متعین تھے، مولانا علامہ مظفر اقبال۔ مولانا علیک الرحمٰن مولانا احمد علی قصوری اور دیگر علماء کرام کے ساتھ پولیس کی گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے کی صورت میں پولیس اور ایف ایس ایف کے دستوں نے وحشیانہ کاروائی شروع کی تو آپ اس وقت مسجد میں پولیس کے دست برد میں آچکے تھے۔ دفاع کی کوئی صورت نہ دیکھ کر مقابلہ شروع کر دیا۔ آنسو گیس کا جو شیل زمین پر گرتا فوراً اٹھاتے اور پولیس پر پھینک دیتے دیکھنے والے حیران تھے کہ ایک نو عمر طالب علم کتنی چابکدستی سے حملہ آور ہے گولے پکڑتے پکڑتے آپ کے ہاتھ جل گئے، سینے پر زخم آئے، پنڈلی اور پشت زخمی ہو گئی آخر یہ ننھا مجاہد غنڈوں کے ہتھے چڑھ گیا، وہ آپ کو جان سے مار دینے پر آمادہ تھے کہ قریب ہی گھر سے ایک عورت برآمد ہوئی اور اس نے للکارا غنڈو تمہیں شرم نہیں آتی اس مسافر کو ہلاک کرنا چاہتے ہو، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس عورت نے پناہ دی، مرہم پٹی کی اور اپنی نوجوان صاحبزادی کی حفاظت میں جامعہ نظامیہ پہنچانے کا اہتمام کیا اور اس نیک بخت عورت نے کہا یہ پہلا موقع ہے کہ میری جوان بچی اس حالت میں باہر نکلی ہے ایک طرف یہ ایثار تھا تو دوسری طرف غنڈوں نے میری رقم تک چھین کر جان سے مارنے کی کوشش کی تھی حافظ صاحب کے زخم اتنے شدید اور گہرے تھے کہ میو ہسپتال لے جانا پڑا ایکسرے کرایا گیا۔ اور پھر جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہنگامی ہسپتال میں عرصہ تک زیر علاج رہے۔ آج کل گو رو بصحت ہیں مگر جسم پر ضربوں اور زخموں کے نشان نمایاں ہیں۔

حافظ عبدالخالق اعوان

مجاہد طلباء میں حافظ عبدالخالق کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے تحریک نظام مصطفٰے میں بڑی جانفروشی سے حصہ لیا۔ زخم پر زخم آئے مگر ہر زخم نے مہمیز کا کام دیا۔ ۲۱ مارچ کا دن ان کے لئے تاریخی اہمیت رکھتا ہے جس میں وحشت و بربریت کا خاص کر نشانہ بنے، حافظ صاحب بیان کرتے ہیں میں قاری غلام مرتضٰے صاحب کے ساتھ مسلم مسجد میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس وقت ہنگامہ کارزار شروع ہو گیا، میری نگاہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلباء آ گئے اور ان کو زخمی حالت میں دیکھ کر تڑپتا رہا۔ علماء کرام کے ساتھ عصبو شاہی کے محافظ انتہائی ظالمانہ رویہ اختیار کئے ہوئے تھے، داڑھیاں نوچی جا رہی ہیں، خون سے مسجد سرخ ہوتی گئی پانی کا تالاب پہلے ہی مرحلہ میں سرخ ہو چکا تھا، اور آنسو گیس کے گولے پھٹتے جا رہے تھے۔ چیخ و پکار کے ساتھ ساتھ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت اور نظام مصطفٰے زندہ باد بلند ہو رہے تھے، شرکاء جلوس فیڈرل سیکورٹی کے حملوں کی تاب نہ لا کر گر رہے تھے کہ اسی اثناء میں میرے سر پر بھی کاری ضرب لگی، بازو شل ہو گئے، مسجد کے ساتھ گلی میں پناہ کی کوشش کی تو پشت پر لاٹھیاں برسنے لگیں اور زخموں سے چور کسی طرح ان درندوں کی دست برد سے جامعہ نظامیہ پہنچا، سر سے خون بہہ رہا تھا کم و بیش میرے جسم پر ۱۴ کاری زخم تھے دو ہفتے تک زیر علاج رہا، مگر میرا جذبہ بیدار تھا اور ظالم کو پکار رہا تھا۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا ستم کیشی تمہاری کو
اگرچہ ہو چکے ہیں تم سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

حافظ محمد حلیم

آپ کی عمر تقریباً ۱۸ سال ہے مسوٹ تحصیل مری کے رہنے والے ہیں۔ جامعہ رضویہ ضیاء القرآن راولپنڈی سے قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد علم تجوید کی تحصیل کے شوق نے جامعہ نظامیہ رضویہ کا متعلم بننے پر مجبور کر دیا۔ تحریک نظام مصطفٰے میں

اپنے اساتذہ کرام اور ہم مکتب طلباء کے ساتھ باقاعدہ شمولیت کی آپ پر انارکلی چوک میں سپاہیوں نے خوب لاٹھیاں برسائیں اور نیم مردہ حالت میں چھوڑا۔ زخموں کی ٹیسوں سے دم بخود گر پڑے جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہنگامی ہسپتال میں پہنچے۔ آپ کی پشت اور بازو شدید زخمی تھے۔ آٹھ روز تک مسلسل علاج کے بعد قدرے افاقہ ہوا تو پھر میدان عمل میں کود پڑے آج بھی جذبہ جوان ہے اور دوسرے غازیانِ تحریک نظام مصطفےٰ کی اپنے اندر فداکاری کی عظیم دولت کے امین ہیں۔

حافظ محمد یوسف قاسمی

مولانا حافظ محمد یوسف صاحب قاسمی تحریک نظام مصطفےٰ کے ایک ہونہار مجاہد کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ مدار پور تحصیل راولاکوٹ (آزاد کشمیر) کے باشندے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی تحریک شروع ہوتی ہے تو کشمیری خون جوش زن ہوتا ہے اور تحریک کی جان بن جاتے ہیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ میں آپ نے لاہور میں نکلنے والے تمام مرکزی جلوسوں میں حصہ لیا۔ نسبت روڈ کا جلوس ہو یا سید مٹھا بازار میں غنڈوں سے مقابلہ، رتن سینما کا خاکستر ہونا یا بیلی بلڈنگ کا سر کرنا، انارکلی کا معرکہ یا مسلم مسجد کا سانحہ حافظ محمد یوسف صاحب قاسمی نے دشمن کو نیچا دکھانے اور تحریک کو کامیاب بنانے میں جانفشانی کے جوہر دکھاتے۔ مسلم مسجد کے جلوس میں تو آپ کو کاری زخم لگے جب فیڈرل سیکورٹی فورس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لینا چاہا تو آپ نے گلفروش کی دکان سے نیچے چھلانگ لگا دی اس حالت میں بھی آپ پر سپاہی حملہ آور ہوئے اور آپ پر لاٹھیوں کی شدید ضربوں کے باعث بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا کئی دن متواتر ہوش میں نہ آئے محب ملک و ملت جناب ڈاکٹر محمد صادق خان صاحب کے ہاں زیر علاج رہے۔

مولانا حافظ محمد خان سیالکوٹی

مولانا حافظ محمد خان ولد چودھری فیروز دین بیریاں کلاں تحصیل شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت تک سکول کی تعلیم پائی اور نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ قرآن پاک ڈیڑھ سال کے عرصے میں حافظ غلام احمد صاحب کے پاس سلوتی شریف ضلع جہلم کے جامعہ مہریہ میں حفظ کیا۔ ۶۸ء میں بھکھی شریف سے درس نظامی کا آغاز کیا۔ بعض کتب مولانا سلطان احمد (حاصلانوالہ) سے پڑھیں۔

۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں دیہات کے ہندوستانی فوج کے قبضے میں آنے کی وجہ سے دو سال تک تعلیمی انقطاع رہا۔ ۷۳ء میں جامعہ غوثیہ لالہ موسیٰ میں داخلہ لیا۔ اسی دوران بزم غوثیہ کے زیر اہتمام مسجد غوثیہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور تحریکِ ختم نبوت ۷۴ء میں بزم غوثیہ کی جانب سے تحفظِ ختم نبوت کے سلسلہ میں تقریباً دس جلسے کیے اور محلہ وار کمیٹیاں بنائیں۔

دو سال بعد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخلہ لیا، جبکہ خطابت کے فرائض بدستور لالہ موسیٰ ہی میں سرانجام دیتے ہیں۔ مولانا حافظ محمد خان جامعہ کے مایہ ناز طلباء میں سے ہیں اور اس وقت درس نظامی کی آخری کتب قاضی مبارک، بیضاوی، ہدایہ آخرین وغیرہ اسباق پڑھ رہے ہیں۔ تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا نے مکمل حصہ لیا۔ ہر احتجاجی جلوس میں شرکت کی اور جب جمعۃ المبارک کا دن آتا، تو لالہ موسیٰ میں تحریک کے پروگراموں میں شریک ہوئے۔ اپنی کہانی انہوں نے یوں بیان کی:

"۱۴ مارچ کو جب تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا احتجاجی جلوس جامع مسجد نیلا گنبد لاہور سے نکلا تو میں مولانا محمد صدیق ہزاروی اور مولانا حافظ عبدالستار

نظامی کے ہمراہ اس جلوس میں شریک ہوا۔ اسی دوران جب میری نگاہ اپنے قریب کھڑے مفکرِ اسلام حضرت پیر کرم شاہ ازہری پر پڑی، تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور ان کی مبارک زبان سے تحریک کی کامیابی کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔ اس جلوس سے لے کر تحریک کے آخر تک برابر جلوسوں میں شریک ہوتا رہا۔ جب لالہ موسیٰ میں حضرت مولانا غلام قادر اشرفی کو گرفتار کر لیا گیا، تو ہم نے آگے بڑھ کر تحریک کو سرد پڑنے سے بچا لیا۔

جب مسلم مسجد کے سانحہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلبا زخمی ہوئے، تو ان کی دیکھ بھال اور گرفتار شدگان کی رہائی کے لیے خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو جب نام نہاد صوبائی اسمبلی کے اجلاس ڈھونگ رچایا گیا، تو پوری قوم سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئی۔ میں اور مولانا احسان اللہ ہزاروی علماء کے جلوس میں شرکت کے لیے نسبت روڈ کی طرف گئے، تو پولیس آڑے آگئی۔ ہم مجبوراً نیلا گنبد کی جانب دوڑے، وہاں بھی پولیس لوگوں کو مار مار کر بھگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہم بمشکل وکلاء کے جلوس میں پہنچے۔ دریں اثناء نوابزادہ نصر اللہ خاں بھی وہاں آگئے۔ جوں ہی ہم اسمبلی ہال کے پاس پہنچے، پولیس نے بے تحاشا گولیاں چلائیں اور آنسو گیس کے شیل پھینکے۔ ہم نے ہائی کورٹ کی طرف رجوع کیا، تو وہاں بھی قیامت صغریٰ برپا تھی۔ دریں اثناء ہمیں مولانا غلام فرید صاحب اور مولانا سیف الرحمٰن صاحب کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی ہم سیدھے میو ہسپتال پہنچے، یہاں منظر قابلِ دید تھا۔ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی زخموں سے چور چور ہیں، لیکن صبر و استقلال کے کوہِ گراں بنے ہوئے ہیں۔ ایک شہید نوجوان کی ماں جب آتی ہے تو بجائے رونے پیٹنے کے شکرِ خداوندی بجا لاتی کہ میری دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شہید کی ماں بنایا۔ میرے یہ دو لڑکے جو میرے ساتھ ہیں، وہ بھی نظامِ مصطفےٰ پر قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں۔ یہ جذبۂ ایمانی دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا کہ اب تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

مولانا محمد یونس چکوالی

مولانا حافظ محمد یونس ولد میاں نور احمد صاحب مقام چکرال تحصیل چکوال ضلع جہلم کے باشندے ہیں۔ آپ نے چکوال میں قرآن پاک حفظ کیا، پھر مختلف مقام پر تعلیم حاصل کرتے ہوئے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخل ہوئے اور یہاں سے علومِ اسلامیہ کی تکمیل کر رہے ہیں۔

مولانا حافظ محمد یونس کا شمار بھی جامعہ نظامیہ رضویہ کے ان مجاہد طلبا میں ہوتا ہے جنہوں نے تحریک نظامِ مصطفےٰ میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر حصّہ لیا۔ میرے دریافت کرنے پر آپ نے تحریک میں شمولیت کی تفصیل سناتے ہوئے بتایا کہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۷ء کو نیا بازار لاہور سے نکلنے والے جلوس میں اس شان سے شمولیت کی کہ پولیس نے مجھے گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا۔ اگرچہ پوچھ گچھ کے بعد جلد ہی رہائی ہو گئی، تاہم اس آزمائشی گرفتاری نے مجھے ولولۂ تازہ بخشا اور لاہور کے مرکزی جلوس میں شامل ہونا میرا معمول بن گیا۔

اسی اثناء میں آپ کا اپنے گاؤں جانا ہوا تو وہاں پہلے سے مخالف پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے حراساں کرنے کی کوشش کی اور آپ کو ایک ذاتی مقدمہ کی آڑ میں قید کروا دیا۔ تقریباً پینتیس دن تک قید و بند میں رہنے کے بعد رہا ہو کر لاہور چلے آئے اور اس وقت تک تحریک اپنے منطقی انجام تک پہنچ چکی تھی۔

قید کے باعث آپ کی صحت خاصی متاثر ہوئی۔ یوں دیکھنے میں آپ پہلے نحیف تر معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کا دل عشقِ مصطفےٰ کی تابانیوں سے شعلۂ جوالا بن چکا تھا، اس لیے جہاں تک ممکن تھا آپ نے تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے رکھا اور آج بھی ان کا دل اسی ولولہ سے لبریز ہے۔

مولانا محمد احسان اللہ ہزاروی

حضرت مولانا حافظ محمد احسان اللہ ہزاروی مانسہرہ ضلع ہزارہ کے بالائی حصہ وادی اگرور کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا تعلق وادی کے ایک مشہور علمی گھرانے سے ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صفی اللہ صاحب ہزاروی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان وادی اگرور دینی علوم و فنون پر کمال دسترس رکھتے ہیں۔ نیز اُردو اور پشتو کے بہترین مقرر ہیں۔

مولانا حافظ محمد احسان اللہ صاحب ہزاروی ۱۹۶۷ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور داخل ہوئے اور ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر کے جامعہ کے شعبہ درسِ نظامی میں داخلہ لے کر علوم و فنون اسلامیہ کی تحصیل کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ کے علمی ذوق اور قابلیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے ۱۹۷۷ء میں تنظیم مدارس کے تحریری امتحان میں پاکستان بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ چنانچہ تنظیم المدارس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر قائدِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے دستِ اقدس سے انعام مرحمت فرمایا۔

مولانا حافظ محمد احسان اللہ صاحب ہزاروی نے اپنے رفقاء کی طرح تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور تحریک نظام مصطفےٰ ۱۹۷۷ء میں نمایاں کردار انجام دیا۔ آپ نے مسلم مسجد کے معرکہ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ نمازِ عصر کے لیے جب سڑک پر ہی صف بندی شروع ہوئی تو موصوف کے ساتھی قاری حق نواز صاحب نے بطورِ جائے نماز اپنا رومال پھیلایا تو آپ بڑی تیزی سے اس پر تشریف لے گئے تاکہ کوئی بدعقیدہ مصلیٰ پر نہ بیٹھ جائے۔ بعدہٗ جب آپ کا اندیشہ دور ہو گیا، تو آپ نے مصلیٰ ایک عالم دین کے سپرد کرتے ہوئے تجدید وضو کی ٹھانی اور مسلم مسجد میں داخل ہو گئے۔ ابھی آپ وضو کرنے نہ پائے تھے کہ پولیس

ایف۔ ایس۔ ایف اور بھٹو شاہی کے ظالم ترین غنڈوں نے عاشقانِ رسولِ انام پر اندھا دھند شیلنگ شروع کر دی۔ پورا علاقہ آنسو گیس کی لپیٹ میں آگیا مسجد کے اندر باہر قیامت برپا تھی آپ فرماتے ہیں کہ میری حالت اس وقت دگرگوں تھی۔ گیس کے شدید اثرات سے ہوش و حواس کا بحال رکھنا محال تھا۔ آنکھوں کی حالت نہ پوچھیے، اب تک متاثر ہیں۔ ۹ اپریل کے جلوس میں بھی آپ نے اپنے ایک ساتھی سید اکبر علی شاہ کے ہمراہ ہراول دستہ کا ساتھ دیا اور اسمبلی ہال کے پاس پہنچنے میں کامیابی حاصل کی، حالانکہ وہاں پہنچنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

اختتامیہ

تحریک نظام مصطفےٰ میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کے کردار کی چند جھلکیاں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان عالی قدر مجاہد علماء طلباء کی فہرست بہت طویل ہے جنہوں نے تحریک کی ابتداء سے انتہاء تک ایثار و قربانی کے روشن باب مرتب کئے چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی بھی انفرادی کارگزاری کا خاکہ پیش کر دیا جاتا مگر اختصار ملحوظ خاطر ہے اس لیے ان مجاہد علماء طلباء کے اسماء گرامی درج کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے جنہوں نے لاہور میں نکلنے والے ہر مرکزی جلوسوں میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ مسلم مسجد کا ہنگامہ کارزار تھا کہ داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار پُرانوار پر رضاکارانہ گرفتاریوں کا سلسلہ، نسبت روڈ پر گولیوں اور لاٹھیوں کا سامنا تھا کہ میلی بلڈنگ کا سانحہ، چیمبرلین کا معرکہ تھا کہ رتن سینما کا ہنگامہ، انارکلی میں حفاظ کرام کی تڑپتی ہوئی لاشیں تھیں کہ شہری مسجد کی شیلنگ، ہر جگہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہونہار اور جانباز تحریک نظام مصطفےٰ کو کامیابی تک پہنچانے میں مصروف دکھائی دیتے رہے ان میں متعدد علماء کو گرفتار کیا گیا کیمپ جیل کوٹ لکھپت جیل، تھانہ جلو موڑ، تھانہ سٹی کوتوالی، تھانہ مستی گیٹ لوہاری گیٹ اور شہر کی مختلف جیلوں میں محبوس رکھا۔ اکثر زخمی ہوئے میو ہسپتال کے علاوہ جامعہ کے

ہنگامی ہسپتال میں کئی ہفتے زیر علاج رہے بعض ابھی تک زخموں کی شدت محسوس کرتے ہیں۔ اب بلا تاخیر قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار رہنے اور زخمی ہونے والوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا حافظ عبد الستار صاحب۔ مولانا قاری نذیر احمد صاحب مولانا محمد رفیق صاحب۔ مولانا محمد یونس صاحب۔ مولانا قاری غلام مصطفےٰ صاحب۔ مولانا سید عاشق حسین شاہ صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب۔ مولانا ظہور احمد صاحب۔ مولانا غلام مصطفےٰ صاحب۔ مولانا محمد سلیم صاحب، مولانا عبد الغنی لق صاحب۔ مولانا قاری حق نواز صاحب مولانا محمد اسماعیل صاحب، مولانا غلام مرتضےٰ صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب مولانا سید عبد الرشید شاہ صاحب۔ مولانا محمد عظیم صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان قیدی اور زخمی غازیوں کے علاوہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے ہر مدرس اور ہر طالب علم نے اپنی اپنی استطاعت سے بڑھ کر تحریک نظام مصطفےٰ کو کامیابی تک پہنچانے میں اہم کردار انجام دیا۔ جو سواد اعظم کے لئے نہ صرف قابل فخر ہے بلکہ دیگر سُنّی اداروں کے طلباء کے لیے ان کا کردار لائق تقلید بھی ہے ملک و ملت کے لیے ایسے مجاہدین علماء طلباء کا وجود سراپا رحمت ہے جنہوں نے اپنے عمل سے نہ صرف بھٹو ازم کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی بلکہ مقام مصطفےٰ کے تحفظ اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی راہیں کھول دیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ

جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی رہنما، ملتان کے بے تاج بادشاہ پیر طریقت

حضرت مولانا حامد علی خان صاحب

کی نظر میں،

حمد و صلوٰۃ کے بعد: آج بتاریخ ۱۱ر فروری ۱۹۷۸ء مطابق ۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ بروز اتوار جامعہ نظامیہ رضویہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا عبد القیوم صاحب مہتمم جامعہ نے کمال خلوص و محبت سے اس عاجز کو حاضری کے لیے اصرار فرمایا۔ مولانا موصوف کے خلوص سے میں پہلے ہی واقف تھا، ان کی شفقت و محبت کا معترف ہوں۔ جامعہ میں آکر جامعہ کے سلسلہ میں انہوں نے جو خدمات سرانجام دی ہیں، ان کو بچشم دید دیکھا، تھوڑے ہی عرصے میں جامعہ کو جس بام عروج پر انہوں نے پہنچا دیا ہے، وہ معجزہ سے کم نہیں۔

ماشاء اللہ عمارت بہت وسیع کرلی ہے۔ طلباء کی تعداد کثیر ہے اور مدرسین کی تعداد بھی کافی ہے اور تمام مدرسین کرام جو ذی استعداد قابل اور نوجوان ہیں، جمع کر لئے ہیں جو بڑے انہماک اور قابلیت کے ساتھ تعلیم میں مشغول ہیں۔

میں نے سب طلباء کو مہذب دیکھا۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی سعی کو مشکور فرمائے۔ اور یوماً فیوماً مدرسہ کو بام عروج پر پہنچائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حررہ احقر العباد

حامد علی خان

مہتمم مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد، ملتان

جامعہ نظامیہ رضویہ کا اجمالی تعارف

افتتاح: ۱۱ شوال ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

سنگِ بنیاد، جدید عمارت: ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ / جون ۱۹۷۲ء

عمارت: ۲۵ کمرے و برآمدے جدید، ۸ کمرے قدیم

تعلیم: شعبۂ حدیث، درس نظامی، تجوید و قراءت، حفظ القرآن

لائبریری: جس میں مختلف فنون و علوم کی تقریباً دو ہزار عربی، فارسی، اردو کتابیں موجود ہیں۔

تصنیف و تالیف: جس میں مختلف موضوعات پر تحقیقی کام ہوا اور اب تک متعدد کتب حواشی ضمیمے اور تعارف طبع ہو چکے ہیں یا زیر طبع ہیں

نشر و اشاعت: جس کے تحت تبلیغی کتابچے، رسائل، اشتہارات، سالانہ جلسہ و میزانیہ کے علاوہ جامعہ کی خدمات کا تعارفی مواد شائع کیا جاتا ہے۔

دار الاقامہ: طلبہ کی رہائش گاہ جس میں ڈیڑھ صد طلبہ رہائش پذیر ہیں حالانکہ یہ تعداد گنجائش سے زیادہ ہے۔

تعدادِ طلبہ: جامعہ کے شعبہ ہائے تعلیم میں طلباء کی مجموعی تعداد تین صد ہے۔

تدریسی عملہ: اساتذہ کرام کی مجموعی تعداد سولہ ہے۔

انتظامی عملہ: دفتر، حسابات اور طلبہ کی ضروریات کی فراہمی وغیرہ کے لیے ۶ افراد کا عملہ ہے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کا تدریسی عملہ

جن کی قابلیت اور محنت، جامعہ کی تعلیمی شہرت کا باعث ہے

نام	عہدہ
حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی	ناظم اعلیٰ
حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی	شیخ الحدیث
حضرت مولانا مفتی غلام سرور قادری	استاذ الحدیث و شیخ الادب
حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری	صدر مدرس (شعبہ درس نظامی)
حضرت مولانا محمد رشید نقشبندی	مدرس 〃 〃
حضرت مولانا حافظ عبد الستار نظامی	مدرس 〃 〃
حضرت مولانا سید غلام مصطفیٰ البخاری عقیل	مدرس 〃 〃
حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی	مدرس (و ناظم کتب خانہ)
قاری عبد الرشید	مدرس (شعبہ تجوید و قراءت)
قاری محمد ابراہیم ملتانی	مدرس 〃 〃
قاری ظہور احمد سیالوی	صدر مدرس شعبہ حفظ و ناظرہ
قاری محمد ارشد	مدرس 〃 〃
قاری نذیر احمد قادری	مدرس 〃 〃
قاری محمد ظفر قریشی	مدرس 〃 〃

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اذکر حاجتی ام قد کفانی
حیاؤک ان شیمتک الحیاء

کریما لا تغیره ذنوب
عن الخلق الکریم و لا جفاء

رسول الله فضلک لیس یحصی
و لیس لجودک السامی انتهاء

فان اکرمتنا دنیا و اخرے
فلیس البحر ینقصه الدلاء

المدیح النبوی للامام احمد رضا البریلوی
و الشعر الاول للشاعر الجماسنی